کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:2 February 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	علاقائی، لسانی، خاندانی تعصب دشمن کا ہتھیار ہے	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	دشمن کے مقابلے سے راہِ فرار گناہِ عظیم ہے	مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی	۷
پیشِ گفتار	حدودِ اختلاف اور تنقید میں اعتدال	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی رفیع حنیف قاسمی	۱۸
دعوتِ فکر وعمل	کردارِ حسنؓ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے	مفتی عبادالرحمٰن قاسمی	۲۲
اصلاحِ معاشرہ	اللہ کے نزدیک ہر نیک عمل قابل قدر ہے	مولانا اسرار الحق قاسمی زید مجدہ	۲۷
”	یوم الجمعہ؛ فضائل ومسائل	مفتی شیخ آصف علی سعید قاسمی	۳۱
تعاقبِ فرق باطلہ	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	مولانا محمد کبیر الدین قاسمی	۳۵
لمحۂ فکریہ	خاک وخوں کا منظر	ابوالعباس خان	۳۹
نقوشِ رفتگاں	ایک چراغ اور بُجھا اور بڑھی تاریکی	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۱
وفیات	لوگ رخصت ہوئے اور لوگ بھی کیسے کیسے!!	ادارہ	۴۵
فقہ وفتاویٰ	تعویذ سے متعلق چند مسائل	ادارہ	۴۸
خبر نامہ	عالمِ اسلام کی خبریں	مولانا ابوالولید قاسمی	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

علاقائی، لسانی، خاندانی تعصب دشمن کا ہتھیار ہے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۰

(سورۃ الحجرات)

ترجمہ: حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اس لئے تم اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرادو۔

تشریح: ۶ھ کی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی مصطلق کے لوگ جنگ کی تیاری کررہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکیلے جذبات لے کر اقدام کرنے والے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیاری کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے نکل کر دشمن کے مقام تک پہنچ گئے، دشمن سے آمنا سامنا مقام مُریسیع پر ہوا جہاں ایک کنواں بھی تھا بلکہ یہ مقام وہی کنویں کے نام سے معروف تھا، جانبین سے تیراندازی ہوئی، دشمن کے لوگ مارے گئے، کچھ قید ہوئے، مال غنیمت بھی ہاتھ لگا۔ خیر یہ تو بات تھی دشمن سے مقابلہ، اسلام اور مسلمانوں کے فتح کی۔

دراصل اس جگہ ایک بہت ہی ناشگوار واقعہ بتلانا مقصود ہے جو مہاجرین وانصار کے درمیان پیش آیا تھا جو ان کے باہمی اخوت وہمدردی کے منافی تھا، واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مہاجر اور انصار کے درمیان پانی کے مسئلہ میں بحث وتکرار ہوگئی بات اتنی بڑھ گئی کہ قتل وقتال کی نوبت آگئی، مہاجر نے اپنی مدد کیلئے اپنے مہاجرین کو آواز لگائی، انصار نے اپنے انصار مدینہ کو دونوں جانب کے لوگ اکھٹا ہوگئے، قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک فتنہ برپا ہوجاتا، اس دل سوز واقعہ کی خبر اس ذات کو ملی جس نے مہاجر وانصار کو بھائی بھائی بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی، اپنی ساری توانائیاں صرف کی تھی ہم تصور کرسکتے ہیں اس ذات یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذری

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

ہوگی، فوراً مقام واردات پر تشریف لے آئے اور اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: مابال دعوی الجاهلية ؟ (یہ جاہلیت کا نعرہ کیا ہے؟) کہ وطن پرستی اور قوم پرستی کو بنیاد بنا کر نصرت وتعاون کیلئے ایک دوسرے کو آواز دینے لگے، پھر فرمایا: دعوها فانها منتنة (اس بدبودار نعرہ کو چھوڑ دو) ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم کے اخروی نتائج وعواقب سے بچانا ہے اور مظلوم کی مدد کر کے اس کو ظلم کی کلفت سے بچانا ہے، کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے اور مظلوم کو ظلم سہنے سے روکنا یہی حقیقی معنی میں دونوں کے ساتھ خیر خواہی ہے، چاہے ظالم کوئی ہو اپنا قرابت دار ہو یا بیگانہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سننا تھا کہ جو لوگ اپنے جذبات سے مغلوب الغضب ہوئے جارہے تھے اور غصہ میں بے قابو تھے، ان کے ہوش ٹھکانے لگے، اپنی اس نامناسب حرکت پر نادم ہوئے نہ صرف نادم ہوئے بلکہ اپنے دلوں سے رنجشوں کو ختم کیا زخم بھی لگے تھے اس کو بھی درگذر کر کے ایک دوسرے کو بھائی بھائی بنالیا۔

اس واقعہ سے ہم سب کو یہی نصیحت ملتی ہے کہ قومی تعصب، لسانی تعصب، خاندانی تعصب، علاقائی تعصب یہ وہ مہلک اور اسلامی تعلیمات کے مغائر چیزیں جس کو اپنے درمیان سے ختم کرنا ہے جب ہم کو اسلام کی عظیم نسبت حاصل ہوگئی تو اس سے بڑھ کر نہ زبانی نسبت ہوسکتی ہے اور نہ علاقائی، لہٰذا اسلام کی نسبت پر متحد بھی ہونا ہے، آپسی رنجشوں کو ختم بھی کرنا ہے ہر ایک کے لئے اپنے پہلو کو نرم رکھنا ہے اسی میں ہمارے لئے کامیابی و کامرانی ہے ورنہ تو ہمارا دشمن ابن الوقت ہے کوئی وقت ہاتھ لگے گا تو ہمارے اسلامی تشخص اور ہماری وحدت و اخوت کو ہم سے چھین سکتا ہے تو نتیجہ یہی نکلے گا۔

ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو المسلمون كجسد واحد کی عملی تصویر بننے، نیز اپنے ظرف کو وسیع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

دشمن کے مقابلے سے راہِ فرار گناہِ عظیم ہے

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اِجْتَنِبُوْا السَبْعَ الْمُوْبِقَاتِ،قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ ؟ قَالَ: الشِرْکُ بِاللّٰهِ و السِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَکْلُ الرِّبٰوا وَمَالُ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّی یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغٰفِلٰتِ۔(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو،صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس شخص کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح: اہلِ ایمان کی زندگیاں رواں دواں ہر دم جواں حوصلہ ہوتی ہیں، وہ خلوت میں زاہد شب زندہ دار ہوتے ہیں تو جلوت میں میدانِ کارزار کے جانباز سپاہی اور ہر دم ان کا رابطہ شریعتِ مطہرہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے، تلواروں کی جھنکاریں، توپ وتفنگ کی پھنکاریں، میدانِ کارزار سے ان کے قدم نہیں اُکھاڑتیں بلکہ ان کو ثبات وقرار عطا کرتی ہیں اس لئے کہ اہلِ اسلام کی کامیابی فتح ونصرت ثبات قدمی میں منحصر ہے اور اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ، (الانفال) یعنی دلی قرار وثبات بھی ہو اور اعضاء وجوارح بھی ثابت ہوں اور دراصل دل کا قرار ہی جسم کے قرار کا ذریعہ ہوتا ہے اور میدانِ جنگ کا سب سے کامیاب حربہ ثبات قدمی ہے، اور اس ثبات قدمی پر ایمان والوں کو جو حوصلہ ہوگا اس کے بارے میں قرآن میں فرمایا:

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

''اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے'' (الانفال)

ابتدائی دور میں تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ کافر چاہے جتنی تعداد میں ہوں مسلمانوں کو ان سے بھاگنا اور پیٹھ پھیرنا درست نہیں اخیر میں اللہ تعالیٰ نے ایک کو دو کے مقابلہ میں جمنے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ''جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلے میں بھاگا وہ بھاگا نہیں ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلے سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے'' یعنی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسی لئے جمہورِ امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکمِ شرعی یہی ہے کہ جب تک فریقِ مخالف کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدانِ جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

جس دل میں زندگی سے محبت اور موت سے خوف ہوتا ہے وہ دین اور اسلام کے لئے اپنی جاں بازی نہیں دکھا سکتا وہ میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا اسی لئے قرآن نے واضح لفظوں میں کہا ''اے ایمان والو جب تم میدان جنگ میں کافروں سے آمنا سامنا کرو تو ان سے پیٹھ مت پھیرو'' (الانفال)

اگر کوئی بلا عذر کے صرف بزدلی اور خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگا تو اللہ نے فرمایا کہ ''وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے'' (الانفال) ہاں جو جنگی چال چلتے ہوئے پیچھے ہٹا اور پھر حملہ کیا یا فوجی قوت حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹا وہ پیٹھ پھیرنے والا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ ایمان کو سمجھایا کہ ''اے لوگو دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے عافیت مانگو اور جب مقابلہ ناگزیر ہو جائے تو پھر صبر و ثبات کو لازم پکڑو اور یہ سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ (مسلم) حضرت ثوبانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تین چیزوں کے ساتھ کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا اللہ کے ساتھ شریک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔ (رواہ الطبرانی)

ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بڑے گناہ کتنے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نو، ان میں لڑائی کے دن بھاگنا یہ بھی بڑا گناہ ہے۔

جس طرح خاص میدان جنگ سے راہِ فرار یہ مذموم ہے اور اس سے اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہونچتا ہے اسی طرح امت کے دیگر اہم اجتماعی دینی معاملات میں ایک دوسرے کے معاون بنے بغیر کنارہ کشی اختیار کرنا یہ بھی بُرا عمل ہے، ہر فرد امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ باطل کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے اور ہر محاذ پر کھڑے ہوئے سپاہی کا تعاون اپنی ذمہ داری سمجھے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

حدودِ اختلاف اور تنقید میں اعتدال[1]

بہ قلم: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

(سورۃ المائدہ)

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرنے لگو، انصاف سے کام لیا کرو یہی طرز تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

(سورۃ المائدہ)

اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجدِ حرام (میں داخلے) سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو، اور نیکی، تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ و ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت پکڑ کرنے والا ہے۔

---

[1] قارئین باتمکین سے گذارش ہے کہ میری ان معروضات کو مکمل ملاحظہ فرمائیں اور غیر جانب داری کے ساتھ دیکھیں، اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ ان سطور کا راقم اپنی علمی بے مائیگی اور عملی کم بضاعتی کا معترف ہے، اپنی اوقات سے آگاہ ہے؛ لیکن یہ سطریں صرف اپنی جماعت کی محبت سے مغلوب ہو کر اور پے در پے آتی مصائب سے متأثر ہو کر تحریر کی ہیں اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

ایک اور موقع پر کفار کے ساتھ جنگ کی صورت میں ثابت قدمی، اور کثرتِ ذکر کا اہتمام کرنے کی تلقین کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶

اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کم زور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہَوا اُکھڑ جائے گی، اور صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ الانفال)

پہلی اور دوسری آیت جیسا کہ سب جانتے ہیں مشرکین کے مظالم کے باوجود اُن کے ساتھ مقابلے میں مسلمانوں کو عدل واعتدال کی راہ پر قائم رہنے کی ترغیب دے رہی ہے، اور تیسری آیت کفار ومشرکین کے ساتھ جہاد جیسے مشکل موقع پر خود مسلمانوں کو باہمی اتحاد واتفاق اور صبر وثبات اور اطاعت واتباع کی راہ پر جمے رہنے کی تلقین اور بہ صورتِ دگر اپنے رُعب وطاقت سے محروم ہوجانے کی تنبیہ پر مشتمل ہے؛ شانِ نزول کے مخصوص پس منظر کے باوجود اِن آیات کی عمومِ مصلحت ومنفعت کا دائرہ وسیع ہے اور ہر موقع پر قابلِ استفادہ ہے؛ اس لئے میں نے معشر علماء کے نوجوان طبقے سے مخاطبت کے لئے ان آیات کے عموم موعظت سے تبرک حاصل کرنا مناسب سمجھا۔

گذشتہ ایک ماہ سے سعودی عرب میں مقیم ہوں، نسبتاً ذرا فرصت میں ہوں تو ملک کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے سوشیل میڈیا کا سہارا لیا ہوا تھا، اتفاق سے انہی دنوں تبلیغی جماعت سے متعلق تبصروں کا سلسلہ شروع ہوا اور موافق ومخالف تنقیدیں سامنے آتی رہیں، خالص علمی ودینی موضوعات ـــــ وہ بھی انتہائی حساس اور نازک موضوعات ـــــ کے سلسلے میں ہمارے طبقۂ علماء کی طرف سے تائید وتردید میں جو غیر معتدل اور غیر مہذب عبارتیں نظر سے گذریں یا کانوں سے ٹکرائیں اُن سے دل بہت دُکھا اور بڑی مایوسی ہوئی؛ یہاں سعودی عرب میں بھی یہ کلپس دلچسپی اور اظہارِ خیالات کا سبب بنی ہوئی ہیں؛ اس عاجز کی چوں کہ الحمدللہ دینی مجالس کا سلسلہ چل رہا ہے اس لئے مخصوص احباب اس حوالے سے بھی سوالات کررہے ہیں، انہیں بھی مناسب جوابات دے کر مسلکی ساکھ محفوظ رکھنے کی کوشش کررہا ہوں، میں اس وقت شخصیتوں سے ہٹ کر معروضی انداز میں چند باتوں کی طرف نوجوان ونوفارغ اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) یہ بات طئے ہے کہ فرقِ اسلام میں ناجی فرقہ ''اہل السنۃ والجماعت'' ہے، جس کے بنیادی معتقدات خیر القرون میں مدون ومدلل ہوچکے ہیں، جو کتبِ عقیدہ وکلام میں محفوظ ہیں اور مدارسِ دینیہ میں پڑھے

پڑھائے بھی جاتے ہیں؛ ماضی قریب میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو صحیح طور پر سمجھنے اور وسط وعدل کی راہ اختیار کرنے میں ہمارے علاقے کے علماء امام گنگوہی، امام نانوتوی اور شیخ الہند رحمہم اللہ کو حق تعالیٰ نے خاص امتیاز عطا فرمایا تھا، اوران کے اس موقفِ وسیط کے بسط وبیان کا کام اُن کے عظیم الشان تلامذہ بالخصوص حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے انجام دیا، آگے چل کر اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی معتدل، افراط وتفریط سے محفوظ، اور ہر مسئلے میں غلو ونقص سے پاک موقف ''مسلکِ علماء دیوبند'' کے نام سے معروف ہوگیا، ورنہ یہ کوئی مستقل عقیدہ اور بعد کی پیداوار نہیں ہے۔[1]

دارالعلوم دیوبند علم وتحقیق میں اسی مسلکِ اعتدال کا پابند اور ترجمان ہے، اسی وجہ سے تمام دیوبندی المسلک مسلمانوں، اُن کے اداروں، اور جماعتوں نے بجا طور پر اُسے اپنا مرکز اور قبلۂ فکر تسلیم کیا ہوا ہے، اور اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار شخصی خیالات سے بلند ہوکر اس مسلک کی حفاظت اور اس کے مطابق اُمت کی راہنمائی کرنے کا اپنا فریضہ پوری دیانت کے ساتھ تاہنوز ادا کررہے ہیں، یہاں مسائل میں تحقیقی مواقف کی گنجائش تسلیم کرنے کے باوجود مسلک میں کسی قسم کا انحراف برداشت نہیں کیا جاتا ہے، جس کی مثالیں پیش کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، اسی دیانت اور ذمہ داری کی وجہ سے ہمیں اس ادارے اور اس کے ذمہ داروں پر مکمل اعتماد ہے اور رہنا بھی چاہیئے۔

(۲) دعوت وتبلیغ کا جو کام ــــ بغیر کسی نام اور بغیر کسی عنوان کے ــــ محض امتِ مسلمہ کی زبوں حالی اور دین سے دوری پر ترس کھاتے ہوئے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ ــــ والد حضرت مولانا یحییٰ والیاس صاحب رحمہما اللہ ــــ نے بنگلہ والی مسجد، بستی حضرت نظام الدین کے اطراف واکناف میں شروع کیا تھا اور جسے اُن کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اُن کے انتقال کے بعد اپنے بزرگوں کے مشورے سے قائم رکھا، اور جو اُن کے اخلاص وللّٰہیت اور اُمت کے حال پر شفقت کے نتیجے میں ملک کے طول وعرض میں پھیلا، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں سے پژمردہ عوامی ماحول دینی وعملی ذوق سے مانوس اور سنتوں کے نور سے منور ہوا، گاؤں گاؤں اور گلی گلی مصلیوں کو ترستی مساجد، اذان ونماز، ذکر ومذاکرہ سے معمور ہوئیں، پھر اُن کے خلف الرشید اور عالم کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی حکمت وفراست سے یہ دین ودعوت کی

---

[1] اس کی تفصیل حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ کی مشہور تصنیف جس کا نام ''علماءِ دیوبند کا دینی اور مسلکی مزاج'' ہے نوفارغ علماء کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیئے، یہ کتاب ان شاء اللہ مسلکی بصیرت میں بہت مددگار ثابت ہوگی، اس زمانے میں اہل علم کا سب سے بڑا نقصان اکابر سے استغناء اور مآخذ سے بچنا ہے۔

حرکت دیگر ممالک میں متعدی ہوکر ایک عالمی تحریک بن گئی؛ اس کام کی مشروعیت، معقولیت، خیر و برکت اور تاریخ ساز کامیاب نتائج سے کوئی صاحبِ علم و عقل انکار نہیں کرسکتا چہ جائے کہ خود دیوبندی علماء!

یہی وجہ ہے کہ اس کام کی نہ کبھی دارالعلوم دیوبند نے مخالفت کی نہ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے نہ مظاہر علوم سہارنپور نے نہ ہی ملک کے کسی دیوبندی الفکر عالم نے، بلکہ یہ تمام دیوبندی مدارس اور علماء اس کام کی ہر طرح سرپرستی اور پذیرائی کرتے رہے، یہ کام جب نئی جگہوں پر گیا اور وہاں کوئی دیوبندی عالم موجود تھا تو تاریخ گواہ ہے کہ وہاں اس کام کے جمنے اور پھیلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی، کیوں کہ انہوں نے اس کام کی بھرپور مدافعت کرتے ہوئے عوام الناس کو جوڑنے میں مدد کی، یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارے مراکز اور علماء برحق کی تائید وحمایت نہ ہوتی تو اسی زمانے میں یا تو یہ کام بند ہوجاتا یا طائفہ ضالّہ کا لقب پاجاتا مگر ایسا کیوں ہوتا جب کہ اس کام کی قیادت بلند پایہ علماء کرام فرمارہے تھے اور وہ ایمانیات سے لے کر اخلاق تک دین کے تمام شعبوں پر عالمانہ بصیرت رکھتے تھے، مسلک ومشرب میں اپنے بڑوں کے رنگ میں رنگے ہوئے اور مراکزِ علم سے جڑے ہوئے تھے، جو کچھ کررہے تھے اس پر ان کی گرفت بھی مضبوط تھی اور اکابر سے صلاح ومشورہ بھی جاری تھا، اُن کے ہر کام میں اتباعِ سنت اور اخلاص وللّٰہیت کا اہتمام تھا۔

بعض جید علماء کرام کو یہ خطرہ ضرور لاحق تھا کہ "آگے چل کر کہیں دعوت کا یہ عظیم اور نازک کام عوامی ہاتھوں میں نہ چلا جائے اور عوام الناس اپنی حد سے تجاوز نہ کر بیٹھیں" اس لئے اُن کی بصیرت اور دوراندیشی نے اسی وقت خدشات کا اظہار کردیا تھا، اسی طرح بعض لگے ہوئے معتبر ومخلص علماء نے ان خطرات وخدشات کے اثرات آنکھوں سے دیکھ لئے تو بہت پہلے ہی کام سے عملی علاحدگی اختیار کرلی، تاہم کام کی برکت اور شدید ضرورت کے مدنظر اپنی علاحدگی کا اثر کام پر اور کام کرنے والوں پر پڑنے نہ دیا، وہ حضرات اپنے سے ربط رکھنے والوں کو احتیاطی ہدایات ضرور دیتے رہے مگر کسی کو کام سے منع نہیں کیا اور تاہنوز اس کام کے ساتھ علماء کا یہی سلوک ہے۔[1]

(۳) نصف صدی تک پورے آب وتاب اور کامل شباب کے ساتھ یہ کام چلا اور پورے عالم میں چمکا؛ اس کے بعد سے اب تک کام تو الحمدللہ چل رہا ہے اور اس کے ابتدائی اثرات وبرکات بھی جاری ہیں مگر وہ خدشات وخطرات جو بعض بالغ نظر ودوراندیش علماء کے ذہنوں میں کھٹکے تھے وہ ظاہر ہونا شروع ہوئے اور کام رفتہ رفتہ ایک مستقل نظریہ ومکتبِ فکر کی شکل اختیار کرنے لگا۔

---

[1] یہ سب تفصیل اس لئے نوکِ قلم پر آگئی کہ دعوت وتبلیغ والوں کو علماء کرام کے اس مخلصانہ تعاون اور للّٰہی تعلق کی جیسی قدر اور جیسا اعتراف واحساس ہونا چاہیئے تھا عام طور سے نہیں ہے۔

یہ عاجز کوئی دو دہائیوں سے تحریراً وتقریراً اُن امور کی جانب توجہ دلا رہا ہے جن کی اگر اصلاح نہ ہو تو اس جماعت کے قابلِ ردوانکار فرقہ بن جانے کا ڈر ہے، اور یہ میری شخصی رائے نہیں ــــ اگر ایسا ہوتا تو دوسرا تو کیا میں خود بھی اُسے قابلِ اعتنا نہ سمجھتا ــــ ملک کے مختلف علاقوں میں، شہروں سے لے کر دیہاتوں تک دین کی نسبت سے سفر کرنے اور مدارس وعلماء سے ملنے کا سلسلہ رہتا ہے سوائے ان علماء کے جو اس کام لگے ہوئے ہیں سب ہی علماء کو اِس خطرہ سے فکرمند دیکھا اور سنا ہے، بلکہ کام میں لگے ہوئے علماء میں سے بھی ایک معتد بہ تعداد کارکنانِ جماعت کے بدلتے نظریات سے متفکر ہے؛ گو کسی مصلحت یا مجبوری سے اس مسئلے میں سکوت کو بہتر سمجھتی ہے۔

میں تجربات وجزئیات کی تفصیل میں گئے بغیر تجزیئے کے طور پر صورتِ حال کا خلاصہ یہ سمجھتا ہوں کہ اب کام کرنے والوں کی اکثریت اعتقاد کے درجے میں

''طریق کو مقصود سمجھنے، کام کی ترتیب کو منصوص سمجھنے اور دین کے ایک بنیادی اور ضروری حصے کو پورا دین سمجھ لینے کی غلطی میں مبتلا ہے۔''

اور اس کا لازمی نتیجہ ــــ جس کا ظہور عوام میں ہونا فطرتاً ضروری تھا ــــ اس طرح سامنے آرہا ہے کہ علماء اور مراکز ومجالس علم سے بُعد دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے، اپنے کام کے علاوہ دیگر کاموں کو خواہ وہ اس سے بھی اہم کیوں نہ ہوں بعض تو غیر ضروری سمجھ رہے ہیں اور بعض کم ضروری خیال کرتے ہیں، دعوت کے مُروجہ طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے سے دین پھیلانے ــــ مثلاً وعظ ونصیحت، مجالس اصلاحیہ، تصنیف وتالیف اور تعلیم وتدریس ــــ کو تبلیغ دین کا کام نہیں شمار کرتے، کام کے مقابلے میں اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے میں بعض جہل کی وجہ سے بعض علم کے باوجود کوتاہی کرتے ہیں، جو علماء عملاً اس مخصوص ترتیب میں شامل نہیں ہوتے انہیں ایک گونہ گمراہ سمجھتے ہیں یا کم از کم محروم التوفیق تو کہا ہی جاتا ہے، اور جو علماء غلطیوں کو ٹوکتے اور احکام کی خلاف ورزی پر نشان دہی کرتے ہیں اگر ذرا بھی اپنی طرف اشارہ محسوس کرلیں تو اس پر مخالفت کی تہمت لگا دیتے ہیں، کوئی عالم خواہ کتنا ہی بڑا اور کتنا ہی صاحبِ نسبت کیوں نہ ہو اس سے استفادے سے عملاً استغناء برتتے ہیں، مساجد میں ائمہ وخطباء کو مخصوص عنوانات میں محدود کرکے دین کے دیگر شعبوں اور ضروری عنوانات پر بولنے سے باقاعدہ روکنے لگے ہیں، دیگر طبقات اور جماعتوں سے وابستہ مسلمانوں کے حقوقِ اسلام ــــ مثلاً خندہ روئی سے ملاقات، سلام میں سبقت، عیادتِ مریض، حقِّ جوار وغیرہ ــــ میں بلا ارادہ ہی سہی بخل سے کام لیا جارہا ہے، علماء کے دروسِ قرآن وحدیث میں شرکت کا بالکل اہتمام نہیں رہا بلکہ بہت سے لوگ تو اپنے ساتھیوں کو روک بھی رہے ہیں وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال سو فی صدی تو نہیں ہے اکثری ہے، سمجھ دار اور معتدل حضرات بھی ماشاءاللہ بہت ہیں، اعتدال کے ساتھ کام میں بھی لگے ہوئے ہیں اور اہل علم کے ساتھ بھی وابستہ ہیں، مراکز علم وطریقت سے بھی استفادہ کررہے ہیں اور اسی وجہ سے اُن میں تنگی وتعصب بالکل نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسی طبقہ کی رعایت علماء کرام کی زبان وقلم کو ایک طبقے کی بے راہ روی پر نکیر سے روکی ہوئی ہے؛ تاہم تجربہ یہ ہے کہ پہلا طبقہ روز بہ روز کام میں غالب آتا جارہا ہے، حد یہ ہے کہ جب کام کے اکابران کو تاہیوں کی نشان دہی کرکے اُن کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتے ہیں تو پُرانے لوگ اس کی کوئی تاویل کرلیتے ہیں اور اپنا عمل اسی طرح قائم رکھتے ہیں، یا بڑوں کے الفاظ نقل کرتے رہنے کو کافی سمجھتے ہیں اپنی رَوش بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔

(۴) اس سنگین اور مستقبل میں مایوس کُن صورتِ حال کا حل دعوت وتبلیغ کے کام میں عملاً شریک علماء کرام کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، ان علماء پر یقیناً بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ اُمت کے اتنے بڑے طبقے کو فکری گم راہی سے بچانے کے لئے صاف گوئی اور احقاقِ حق سے کام لیں، مداہنت کی اب گنجائش بالکل نہیں ہے، جو علماء فکری وخارجی موافقت وخیر خواہی کے باوجود دوسری مشغولیاتِ دینیہ کی وجہ سے دعوت کے اس کام میں عملاً شریک نہیں ہیں کارکنانِ جماعت کو اُن پر بالکل اعتماد نہیں ہے بلکہ ایک گونہ بُعد وشکایت ہے، اُن علماء کا کام کرنے والوں کے غلو اور جہل کی باتوں پر نکیر کرنا اور احکام کی روشنی میں قصد واعتدال کی دعوت دینا نافع ہونے کے بجائے نقصان دہ ہوگیا ہے؛ اس لئے اب اس جماعت کو حدِ اعتدال میں لانا صرف ان علماء کے لئے ممکن ہے جو جماعت کے کام میں عملاً لگے ہوئے ہیں، خدا کرے کہ وہ حضرات اس اہم ذمہ داری کو محسوس فرمائیں اور سوشیل میڈیا پر مقابلہ آرائی کے بجائے کام کرنے والوں کی فکری سلامتی اور عملی اصلاح میں اپنی صلاحیتوں کو صرف فرمائیں۔

پھر اصلاحِ فکر ونظر کا یہ کام وقتی طور پر کسی تقریر وتحریر سے یا ایک آدھ مرتبہ توجہ دلانے سے نہ ہوسکے گا بلکہ ایک اہم ضرورت سمجھ کر عرصے تک مسلسل اصلاح کرتے رہنے کی ضرورت پڑے گی، اس لئے کہ جو خرابیاں ایک طویل عرصے میں آہستہ آہستہ پیدا ہوئی اور جڑ پکڑ گئیں ہیں وہ ایک آدھ وقت کی نصیحت سے درست نہیں ہوسکتیں؛ اللہ پاک ہی اپنی قدرت سے اس مبارک کام میں ایسے مصلحین پیدا فرمادے جو فکر ونظر کے انحراف کو محسوس کرتے ہوئے اُسے اکابر کے مسلک ومشرب کے مطابق بنانے کے مستقل فکر اور طویل جدوجہد کا عزم مصمم کرلیں، اگر ایسا ہوسکا ـــــ اور خدا کرے کہ جلد ہو ـــــ تو اس مبارک محنت کی برکات مزید سے مزید تر ہوجائیں گی ورنہ ملت کا جو کچھ نقصان ہوسکتا ہے اس کے بیان کی اہل بصیرت کو کوئی ضرورت نہیں۔

(۵) یہ تو اصل مسئلہ تھا جس کی جانب علماء کی انفرادی توجہ تو الحمدللہ ہے مگر وہ اجتماعی جدوجہد نہیں ہے جس کا یہ انحرافِ فکر وعمل محتاج ہے؛ اور جہاں تک امارت وشوریٰ کے حوالے سے دعوت کے کام میں پیدا شدہ بحران کا معاملہ ہے اور جس نے عالمی طور پر کارکنان کے درمیان نزاع وخلاف کھڑا کر دیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہ اس کام کا اندرونی مسئلہ ہے اور بہتر یہی ہے کہ اندرونی طور پر کوئی ایک پہلو طئے ہو کر کارکنان کے حسب سابق اتحاد واتفاق اور مرکزِ واحد پر اجماع کا سبب بن جائے کہ اسی میں خیر ہے، ورنہ شہر شہر دو مرکز بنیں گے اور جیسے جمعیت علماء کا حشر ہوا وہی جماعت کا بھی ہوگا بلکہ ہو رہا ہے، کام بہر صورت ہوتا رہے گا مگر اتحاد و یک مرکزیت کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس خواہش اور اس کی مخلصانہ دعاؤں کے باوجود علماء کرام اندرونی اختلاف کے جانب دار نہیں ہیں، اکابر نے بھی اس میں کوئی مداخلت نہیں کی، البتہ انفرادی طور پر متعلقہ افراد سے ملاقات کر کے اپنے خیر خواہانہ مشورے ضرور دیئے ہیں اور اگر طرفین بالاتفاق ملک کے اکابر علماء کو ثالث بنا کر اس مسئلے کا حل نکال لینا چاہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ حضرات اس کارِ خیر سے انکار فرمائیں گے۔

(۶) رہ گئی بات مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم کی بعض تحقیقات وملفوظات سے اکابر علماء کے اختلاف کی تو معلوم ہونا چاہیئے کہ احقاقِ حق اور انکارِ مُنکر کا مطلب کسی کی شخصیت کو مجروح کرنا اور اس کی ذات کو مطعون کرنا نہیں ہوتا، راقم سطور اپنے ضمیر کی بات اللہ تعالیٰ کے علم وخبر کے استحضار کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا سے ـــ ظاہری ملاقات وقرب نہ ہونے کے باوجود ـــ اُن کی عالی نسبی اور اُن کے آباء واجداد کے اُمتِ مسلمہ پر عظیم تر احسانات اور تاریخ ساز کارناموں کی وجہ سے اپنے دل میں اُن کا احترام اور محبت محسوس کرتا ہے، ضمیر ان کی توہین وتنقیص کی اجازت ہرگز نہیں دیتا، اور جو نوجوان اور جذباتی علماء کے تبصرے مجھ تک پہونچے اُن سے مجھے اتنی ہی تکلیف ہوئی جتنی کہ اُن کے کسی روایتی عقیدت مند کو ہو سکتی ہے؛ اس کے باوجود جن باتوں کی جانب دارالعلوم کے اکابر نے توجہ دلائی ہے وہ اور ان کے علاوہ بیسیوں اور باتیں مولانا مدظلہٗ کی ایسی ہیں جو کسی تاویل کے ذریعہ صحیح نہیں کہی جا سکتیں، بہت احتیاط برتی جائے تو "شطحیات" کہا جا سکتا ہے[1]، اور اہل السنۃ والجماعت کا موقف یہی ہے کہ غالب احوال اور قریبی شہادات کے ذریعہ کسی کو کتنا ہی بڑا اللہ والا اور کتنا ہی صاحبِ نسبت کیوں نہ مانا جاتا ہو اس کی شطحیات قابلِ ردوانکار ہیں، اس ولی اللہ کو ان باتوں

---

[1] تفسیری وتعبیری عموم سے اگر ان باتوں کی صحت وجواز کی گنجائش نکال بھی لی جائے تب بھی احتیاط کا مقتضیٰ ایسی باتوں سے اجتناب ہی ہے، کیوں کہ مخاطب جو مطلب نکال رہا ہے اور عوام الناس جس انداز میں ان باتوں کو پھیلا رہے ہیں وہ بہر حال عوام کے عقیدہ وعمل کے لئے نقصان دہ ہیں اور یہ نقصان کُھلی آنکھوں دیکھا جا رہا ہے۔

کی اصلاح کے لئے تو کہا جائے گا مگر ان کا اتباع نہیں کیا جائے گا، اتباع تو دور کی بات ہے ان باتوں کی حمایت بھی نہیں کی جاسکتی، اگر چہ کہ اُن بزرگ کی غالب حقانیت کی بناء اُن کے احترام میں بھی کمی نہیں کی جائے گی؛ اس لئے مولانا سعد صاحب مدظلہ پر اکابر دارالعلوم اور ان کے علاوہ بیسیوں محقق علماء کرام کی اجماعی تنقیدیں اُن کے اخلاص اور ادائے فرض پر محمول ماننی چاہیئے، تمام حق پسند علماء کرام کو اس کی تائید کرتے ہوئے ان باتوں کی اصلاح میں ساعی ومعاون بننا چاہیئے، اور اللہ تعالیٰ سے ان باتوں کی اصلاح ممکن ومُیسر ہونے کی دل وجان سے دعا کرتے رہنا چاہیئے؛ یہی اخلاص وللّٰہیت ہے اسی میں قوموں کی فوز وفلاح مُضمر ہے۔

(۷) لیکن یہ جو سوشیل میڈیا پر ردوقدح چل رہا ہے جس میں کسی کے مقام ومرتبے کا کوئی لحاظ نہیں ہے، ذاتوں سے لے کر خاندانوں کو تک گھسیٹا جارہا ہے، نیتوں اور ارادوں پر حملے کئے جارہے ہیں ذرا غور کیجئے کہ یہ طرزِ عمل علماء کے شایانِ شان کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم جن بزرگوں کی نسبت پر فخر کرتے ہیں اور جن کے نام لیوا ہیں اُن علماء کرام اور مشائخِ عظام کا کیا یہی واہیانہ اور بے باکانہ اندازِ تنقید تھا؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت حکیم الامتؒ شدید مسلکی اختلاف کے باوجود اپنے خطرناک وبے باک مخالف مولانا احمد رضا خان صاحب کا نام بھی بے ادبی سے لینے کو ناپسند فرمایا تھا، کیا یہ آپ کو پتہ نہیں کہ باوجود شدید فکری اختلاف کے حضرت مدنیؒ کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے خادم کو خانقاہ اور اپنی خدمت سے نکال باہر کردیا تھا، یہ نہیں معلوم کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے صرف خانقاہِ تھانہ بھون کا ضابطہ نہ توڑنے کی خاطر گیٹ کے باہر شب بسر کرلینا گوارا فرمالیا تھا؟؛ یہ نہیں معلوم کہ حجۃ الاسلامؒ نے دہلی کی موتی مسجد میں اپنے کو کافر کہنے والے امام کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور ان کے تعجب پر فرمایا تھا کہ میں تو آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں؟ کیا آپ کو اس کا پتہ نہیں کہ حضرت ابوالمحاسن نے حضرت مدنیؒ کا جوتا اِس خیال سے کہیں محفوظ کردیا تھا کہ واپسی میں تلاش کی دشواری نہ ہو اور جب شیخ الاسلام کو پتہ چلا کہ مولانا کا ہاتھ لگ گیا ہے تو اس جوتے میں پیر ڈالنے سے انکار فرمادیا تھا، کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے استحکام اور کُل مسلکی اتحاد کی خاطر حکیم الاسلام اور مولانا رحمانی رحمہا اللہ ایک بریلوی المسلک شیخ کے پاس خود پہونچے اور انہیں منانے کے لئے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں ڈالنے تک تیار ہوگئے؟ اور خود دعوت وتبلیغ کے کام سے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اور مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ میں شدید اختلاف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی محبت واحترام میں کیا کوئی کمی کسی نے دیکھی؟

اور یہ تو اپنی ہی جماعت کے درمیان سلوک کا معاملہ ہے، ہمارے اکابر کی عالی ظرفی اور اولوالعزمی کا حال تو یہ ہے کہ جب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے دارالافتاء نے ''جماعتِ اسلامی'' کی فکری بے راہ رویوں کے

خلاف فتویٰ صادر کیا تو مقامی ذمہ دارانِ جماعت بات کرنے کے لئے مظاہر پہونچے، مدرسے کے علماء نے اُن کا استقبال کیا اور ضیافت کی، ان لوگوں نے واپس جا کر کہا یہ کیا منافقت ہے کہ ہمارے سامنے تو اخلاق و اکرام کا معاملہ کرتے ہیں اور ہمارے پیچھے گم راہی کا فتویٰ دیتے ہیں؟ اُن کا تبصرہ ''اظہارِ حقیقت'' نامی رسالے میں نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں'' یہ منافقت نہیں ہے یہ ہمارے نبی کی سنت اور اکابر کی تعلیم ہے''۔

یہ مضمون ایک رسالہ بن جائے گا اگر ان واقعات کو نقل کرتا چلا جاؤں؛ اس لئے نوجوان فضلاء مدارس اور علماء کرام سے گذارش ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اپنے فریضے کو ضرور ادا کریں اور جرءت وہمت سے کریں مگر عالمانہ وقار اور اسلاف کے امتیاز کا سودا نہ کریں، ایسے انداز اور الفاظ سے جن سے مسلمان کی تنقیص ہوتی ہے احتراز کریں، ایک عام مسلمان کی آبرو بھی کعبہ شریف سے بڑھ کر ہے چہ جائے کہ علماء و قائدین! اللہ اکبر! قرآن یہ کیا کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے؟

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس راقم عاجز و آثم کو بھی اور تمام معشر علماء کو اپنی مرضیات کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری ٹوٹی پھوٹی خدمات کو نفس کی آمیزش کے ذریعہ ضائع ہو جانے سے بچائے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی الامین

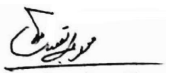

وارد حال، ریاض، سعودی عرب

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

ترجمہ وتلخیص: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

یہ مخلوق کے سردار سید الانبیاء حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، ام الحسنین، قریشیہ ہاشمیہ ہیں، یہ بعثت سے کچھ قبل پیدا ہوئیں، ان کا نکاح حضرت علی کرمؓ سے جنگ بدر کے بعد ذی قعدہ ۲ ھ یا اس سے کچھ قبل ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت فاطمہؓ سے محبت اور ان کا اعزاز:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ چلی آرہی تھیں، آپ کی چلن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چلن کے زیادہ مشابہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے لئے کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میری بیٹی کو خوش آمدید ''مرحبا بابنتی'' (بخاری: باب علامات النبوۃ فی ال إسلام، حدیث: ۳۲۶۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت فاطمہؓ کے لئے غصہ ہونا:

حضرت فاطمہؓ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے بے انتہا محبت فرماتے، ان کا بہت اکرام کرتے، ان سے سرگوشی فرماتے، یہ نہایت صابرہ، دیندار، بھولی مانس، پاکیزہ، شاکرہ، قانعہ تھیں، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ کے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کے ارادہ پر غصہ ہوگئے اور فرمایا: ''اللہ کے نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک ساتھ اکٹھی نہیں ہوسکتیں، میری بیٹی فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے جو اسے برا لگتا ہے وہ مجھے برا لگتا ہے جس چیز سے اسے تکلیف ہوتی ہے مجھے اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے۔'' یریبنی ما رابھا، ویؤذینی ما آذاھا'' (مسلم، حدیث: ۲۴۴۹)

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی دلجوئی کی خاطر ان کے حین حیات کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

حضرت فاطمہؓ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت:

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے چال چلن اور گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے

زیادہ مشابہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، جب وہ آپ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ استقبال کے لئے کھڑے ہوجاتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں بوسہ دیتے اور انہیں اپنی خاص نشست پر بٹھاتے اور جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی آپ کے استقبال میں کھڑی ہوجاتیں، آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھلاتیں۔" و كان إذا دخل عليها قامت إليه، فأخذت بيده فقبلته، و أجلسته في مجلسها " (ابوداؤد: باب ماجاء فی القیام، حدیث: ۵۲۱۷)

نبی کریم ﷺ کا اہل بیت کے لئے دعا فرمانا:

صحیح طریق سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور ان کے دونوں بیٹوں کو چادر میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: ''یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کردے اور ان کو خوب پاک کردے'' (ترمذی: باب ومن سورۃ الأحزاب، حدیث: ۳۲۰۵)

اہل بیت سے محبت:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ہم اہل بیت سے بغض اور کینہ رکھے گا تو اللہ عزوجل اس کو جہنم میں داخل فرمادے گا'' (صحیح ابن حبان: ذکر إیجاب الخلود فی النار، حدیث: ۶۹۷۸)

حضرت فاطمہؓ کی دنیا سے کنارہ کشی:

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، ان کی گردن میں سونے کی زنجیر تھی، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: ابوالحسن (حضرت علیؓ) نے مجھے یہ بطور ہدیہ دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے فاطمہؓ! کیا تمہیں اچھی لگتی ہے کہ لوگ یوں کہیں: یہ فاطمہ بنت محمد ہیں اور ان کے ہاتھ میں جہنم کی زنجیر ہے'' پھر نبی کریم ﷺ وہاں سے نکل گئے، انہوں نے اس زنجیر اور چین سے ایک غلام خریدا، اور اس کو آزاد فرمایا دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' الحمد للہ الذی نجا فاطمة من النار " تمام تعریفیں اس خداوند کے لئے ہیں جس نے فاطمہ کو جہنم سے خلاصی دلائی''
(ابوداؤد الطیالسی: حدیث: ۱۰۸۳)

نبی کریم ﷺ کی وفات پر:

جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی، تو حضرت فاطمہؓ نہایت مغموم ہوکر رو پڑیں، اور فرمایا ''اے میرے بابا جان اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور آپ اس دعوت کو قبول کرکے اپنے پروردگار کے پاس چلے گئے، اے میرے بابا جان! اے وہ مقدس ذات جس کا مستقر جنت الفردوس ہے، اے میرے بابا جان! ہم

آپ کی وفات کی خبر جبرائیل (علیہ السلام) کو پہنچاتے ہیں، بعد میں جب آپ کے جسد اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا تو حضرت فاطمہؓ بے اختیار ہو کر کہنے لگیں اے انس! اور اے صحابۂ رسول! تم لوگوں نے آخر یہ کیسے گوارا کر لیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مٹی ڈال دو؟۔ ''یا أنس أطابت أنفسکم أن تحثوا علی رسول اللہ ﷺ التراب'' (بخاری: باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۴۴۶۲)

حضرت فاطمہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر کو مخفی رکھنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: میرا اس مرض میں انتقال ہو جائے گا، تو یہ رو پڑیں، اور جب انہیں یہ بھی بتلایا کہ وہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملیں گی، اور امت کی (جنتی) عورتوں کی سردار ہوں گی، تو یہ ہنس پڑیں، اور اس راز کو پوشیدہ رکھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر اس راز سے پردہ اٹھایا۔

جنتی عورتوں کی سردار:

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ سامنے سے چلی آ رہی تھیں اور ان کی چال بالکل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا میری بیٹی کو خوش آمدید، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا اور ان کے ساتھ سرگوشی کرنے لگے، اسی دوران حضرت فاطمہؓ رونے لگیں، میں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت کے ساتھ صرف تم سے سرگوشی فرما رہے ہیں اور تم پھر بھی رو رہی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ دوبارہ سرگوشی فرمانے لگے اس مرتبہ وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ غم کے اتنا قریب خوشی کو میں نے آج تک نہیں دیکھا، تو فاطمہؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز کسی کے سامنے بیان نہیں کروں گی، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے دوبارہ ان سے اس کے متعلق پوچھا انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ قرآن کریم کا دور ایک مرتبہ کرتے تھے جبکہ اس سال دو مرتبہ کیا میرا خیال ہے کہ میرا وقت آخر قریب آ گیا ہے اور میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی اور میں تمہارا بہترین پیشوا ہوں گا، میں اسی بات پر روئی تھی، اور پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو، اس پر میں ہنسنے لگی تھی۔ (بخاری: باب علامات النبوۃ، حدیث: ۳۶۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب صرف اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے باقی و برقرار ہے۔

میراث کا مطالبہ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث سے امیدیں وابستہ ہوئیں، وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اس کے لئے حاضر ہوئیں، تو انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو بتلایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لا نورث، ما ترکناہ صدقة (ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں یہ تو صدقہ ہوتا ہے) تو ان کو تھوڑی سی دل میں کھٹک ہوئی اور وہ پھر اس بات کو بھول گئی۔

حضرت فاطمہؓ کی لڑکیاں:

حضرت فاطمہؓ کو دو لڑکیاں تھیں، ایک ام کلثوم، جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں رہیں، دوسرے زینت جو عبداللہ بن جعفر بن ابوطالبؓ کی زوجیت میں رہیں۔

حضرت فاطمہؓ کا بذات خود گھر کا کام کرنا:

ابوالبحتری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے ماں سے کہہ رکھا تھا: آپ فاطمہؓ کو باہر کے کام سے فارغ کر دیں، وہ گھر کے اندر کے کام آٹا گوندھنا، روٹی پکانا اور چکی پیسنا اس کو نمٹا لیں گی۔

شوہر کا پاس ولحاظ:

حضرت شعبیؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں، تو حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: فاطمہؓ! حضرت ابوبکرؓ تم سے اجازت چاہتے ہیں تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: ''أتحب أن آذن له'' (کیا آپ ان کو اجازت دینا پسند کرتے ہیں) تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ہاں! (یعنی حضرت فاطمہؓ نے کسی کو اپنے گھر میں بغیر شوہر کی اجازت کے آنے نہیں دیا) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوبکرؓ کو اجازت دی، تو وہ اندر آ کر ان کو راضی اور خوش کرنے لگے اور فرمانے لگے: اللہ کی قسم میں نے اپنے گھر دار، مال، آل واولاد کو اللہ، اس کے رسول اور اس کے اہل بیت کی خوشنودی کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح وہ ان کو راضی کرتے اور مناتے رہے اور وہ مان گئیں۔

وفات:

حضرت فاطمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تقریبا پانچ مہینے حیات رہیں، اور چوبیس یا پچیس سال کی زندگی پائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے بعد چھ مہینے حیات رہیں، اور رات میں ان کی تدفین ہوئی، واقدی کہتے ہیں: چھ مہینے کا قول ہمارے یہاں زیادہ مضبوط ہے، حضرت عباسؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور فضل بن عباسؓ قبر میں اترے۔

دعوتِ فکر وعمل

کردار حسنؓ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے

از: مفتی عباد الرحمٰن قاسمی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف قوی وصلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، کسی میں قوت وطاقت ہے تو کسی میں ذہانت وفطانت، کسی میں بیان ولسان کا ملکہ ہے تو کسی میں سیف وسنان کا، کسی میں قائدانہ صلاحیت ہے تو کسی میں منتظمانہ، کسی میں شجاعت وبسالت ہے تو کسی میں فنی مہارت، کسی میں صلابت ہے تو کسی میں رقت، کسی میں سخاوت ہے تو کسی میں قناعت، بہرحال ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ساری کی ساری صلاحیتیں وکمالات کسی ایک میں جمع کردی گئیں ہوں أن یجمع العالم فی واحد اب انسانی فطرت ہے کہ جو جس صلاحیت سے محروم ہے وہ باصلاحیت کے سامنے جھکتا ہے اور اس لائن کا معاملہ اس کے حوالہ کرتا ہے مثلاً: کسی میں قوت وطاقت ہے تو اس سے جو محروم ہے یعنی کمزور، یہ اس کے سامنے دبا رہتا ہے اور جو بہادر ہوتا ہے وہ میدان کارزار کی باگ سنبھالتا ہے اور دوسرے اس کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں، اور جو مدبر ومنتظم ہوتا ہے وہ آگے آگے ہوتا ہے اور دوسرے اس کے پیچھے اور جو سیاس وقائد ہوتا ہے وہ قوم کی نگہبانی کرتا ہے اور دوسرے اس کی زیر سرپرستی وسایہ چلتے رہتے ہیں اسی طرح بقیہ تمام شعبہ ہائے حیات میں نظام عام چل رہا ہے اور اسی طرح خمیرِ انسانی گوندی گئی ہے ’’نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴿۳۲﴾ (سورۃ الزخرف) اس نظام سے بغاوت وانحراف فسادِ عالم پر منتج اور سفکِ دم پر منتہی ہوتا ہے جس کا اظہار ملائکہ کی زبانی پہلے ہی ہو چکا ہے۔

اس فطرت انسانی سے آگے ایک اور چیز ہے جسے کمالِ انسانی اور حکم ربانی کہا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان میں قوت وصلاحیت وہنر تو ہے لیکن جس درجہ کا ہونا چاہئے اس طرح نہیں ہے، جس وفور کی ضرورت ہے وہ نہیں ہے، اب ایسی صورت میں انسانی کمال اس میں ہے کہ کامل وماہر کو پیش پیش رکھا جائے اور جس لائن ومعاملہ کا مسئلہ ہے اس مسئلہ کو اسی کے حوالے کیا جائے یہی حکم ربانی بھی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (سورۂ نساء:۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم امانات کو اس کے اہل کے سپرد کرو۔ اور اس

*استاذ شعبہ افتاء ادارہ ہذا

طرح نہ کرنا ایک خیانت ہے اللہ ورسول اور عام مؤمنین سے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امن استعمل رجلا من عصابة وفی تلک العصابة من هو أرضی الله منه فقد خان الله و خان رسوله و خان المؤمنین (مستدرک حاکم: ۷۰۳۳) اس قسم سے اعراض کرنے میں نظام عالم میں فساد تو نہیں ہوتا لیکن نظام مختل تو ضرور ہوتا ہے، معاملات و امور کی انجام دہی میں رکاوٹیں ہوتی ہیں اور رفتارِ نظام سست ہو جاتی ہے۔

اور اس کمالِ انسانی سے آگے بھی ایک اور چیز ہے جسے کمالِ ایمانی کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ صلاحیت، ہنر، کمال و مہارت سب کچھ ہے لیکن کسی مسئلہ وعہدہ کو لے کر رسہ کشی ہو رہی ہو، اور شقاق و اختلاف کی سی شکل پیدا ہو رہی ہو اور ہزار کوششوں کے باوجود مسئلہ قابو میں نہ آ رہا ہو تو ایسی شکل میں کمالِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اختلاف ختم کرتے ہوئے دوسرے کے حق میں سبکدوش ہو جانا اور عہدہ و کرسی چھوڑ کر اعلیٰ ظرفی و کشادہ دلی کا معاملہ کرتے ہوئے انتشار و پھوٹ سے اپنے کو اور امت کو بچا لینا یہ کمالِ ایمانی ہے اور یہی کردارِ حسنی ہے، نیز یہی سید و بڑا ہونے کی دلیل ہے ان ابنی هذا سید اور رفعت و بلندی کی علامت ہے من تواضع لله رفعه الله کی وجہ سے۔

جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سید شباب اهل الجنة حضرت حسنؓ تمام تر خوبیاں، فضائل، دنیاوی ساز و سامان، لوگوں کی موافقت، میدانِ کار کی ہمواری، لاؤ لشکر، عالی حسب و نسب سب کچھ رکھنے کے باوجود فتنہ کو مکروہ اور فساد و اختلاف کو ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے صلح پر آمادہ ہو گئے اور یوں امت کے سروں پر لٹکتی ہوئی قتل و خرابے کی تلوار کو اتار کر نیام میں رکھ دیا اور حق پر رہتے ہوئے، اپنے حق سے سبکدوشی و صلح کے حوالے سے تاریخ میں اپنی نوعیت کی خشتِ اولین رکھ کر اپنے سید و کامل الایمان ہونے کا ثبوت دے دیا اور اس حوالہ من سن سنة حسنة فله اجر ها و اجر من عمل بها الی یوم القیامة کی فضیلت اپنے کھاتے میں کر گئے اور تاریخ میں ایسا مایہ ناز کارنامہ کر گئے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے خود فرمایا تھا ''ابو محمد! آپ نے آج اس قسم کی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے کہ ایسی جواں مردی و بہادری آج تک کوئی بھی نہ دکھا سکا۔

(تاریخ الاسلام از مولانا اکبر نجیب آبادیؒ: ۱/۵۲۷)

خود حضرت حسنؓ کا خطبہ بھی اس موقع پر بڑا شاہکار و قابل عبرت و عمل ہے۔۔۔۔۔ مسلمانو! میں فتنہ کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں، اپنے جدِ امجد کی امت میں سے فساد و فتنہ کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لئے میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کی اور ان کو امیر اور خلیفہ تسلیم کیا، اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو وہ ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے ان کو بخش دیا۔ (تاریخ اسلام: ۱/۵۲۷)

ایک اور موقع پر خطبہ میں فرمایا: ''میں خدائے برتر وتوانا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو کسی سے بغض وعداوت نہیں، مشرق سے مغرب تک ایک شخص بھی مجھ کو ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے رنج وملال اور نفرت وکراہت ہو، اتفاق واتحاد، محبت وسلامتی اور صلح واصلاح کو میں نا اتفاقی اور دشمنی سے بہر حال بہتر سمجھتا ہوں۔ (تاریخ اسلام: ۱/ ۵۲۳)

آج اس دورِ اختلاف وفساد میں اسی کردار حسنیؓ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس ضرورت میں اُس وقت شدت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ عہدوں وامارتوں، کرسیوں وسیٹوں کو لے کر امت میں تنازعات بڑھ جائیں؛ عین اس وقت جب کہ شام جل رہا ہے، برما کے مسلمان کراہ رہے ہیں، یمن آگ کی بھٹی بننے جا رہا ہے، عراق بموں وخودکش حملوں سے دہل رہا ہے، مصر زندیقوں وملحدوں کے شکنجہ میں پھنسا جا رہا ہے، فلسطین اپنے شبّان وشیوخ اور غلمان ونسوان کی قربانیاں دے رہا ہے، ترکی میں اسلام پسندوں کے تختۂ حکومت کو الٹنے کی باغیانہ سازشیں بامِ عروج پر پہنچ رہی ہیں، لیبیا آپسی شقاق وخلاف، عداوت ونفرت کا منہ بولتا ثبوت پیش کر رہا ہے، ایسے دردناک واندوہناک حالات میں اختلافات کو ہوا دینا اور عہدوں وامارتوں کے لئے باہم دست وگریباں ہونا؛ خاص طور پر عالمی فلاحی ودعوتی تنظیموں میں ایسی چیزوں کا نمودار ہونا یہ ساری امت کے لئے خطرہ اور زوال وتنزل کی دلیل ہوگا، دینی پیشواؤں کی طرف سے ایسی چیزوں کا پیش آنا تو خطرہ کو مزید دوبالا کر دیتا ہے، ایک حساس وملت کا درد رکھنے والا اور امت کے لئے کڑھنے اور مرنے والا تو ایسے حالات میں نمونۂ حسنی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور امت کو مزید بکھرنے سے بچانے کے لئے ایسی ایک نہیں دسیوں امارتوں وعہدوں کو خیر باد کہہ کر امت کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور سب کو کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر جمع کرتا ہے۔

مزاج شریعت:

ویسے بھی ہماری شریعت کا مزاج ہے کہ طالب عہدہ کو عہدہ نہیں دیا جاتا، خواہش مندِ امارت کو امیر نہیں بنایا جاتا، دو آدمی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے قوم کا امیر بنا دیجئے، دوسرے نے بھی وہی خواہش ظاہر کی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم ایسے آدمی کو جو اس امارت وعہدہ کا طالب وسائل یا اس کا حریص ولالچی ہو ذمہ دار نہیں بناتے، عن أبی موسیٰ قال: دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا ورجلان من بنی عمر فقال احد الرجلین: یا رسول اللہ! امرنا علی بعض ما ولاک اللہ عزوجل وقال الآخر مثل ذالک فقال: إنا واللہ لا نولی علی هذا العمل أحد ساله، ولا احد حرص علیه (مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۳۳، بخاری حدیث نمبر ۷۱۴۹) ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں، مطالبہ کرنے اور مانگنے سے تو

مددِ الٰہی سے محرومی اور نصرتِ خداوندی سے دوری ہوجاتی ہے، ہاں البتہ بغیر مانگے اللہ کی طرف سے مل جائے تو اس پر نصرت ایزدی کا وعدہ ہے ورنہ تو ساوی دستگیری ختم ہوکر بندہ کو اسی کے حوالے کردیا جاتا ہے اور جب بندہ کے حوالے کردیا جاتا ہے تو امور و معاملات کا کیا حشر وانجام ہوگا؟ الأمان الحفیظ !!

حدیث میں آتا ہے: عن عبدالرحمن بن سمرة قال! قال النبی ﷺ یا عبدالرحمن بن سمرة لاتسال الأمارة ،فانک ان اعطیتها عن مسألة وکلت الیها،ون اعطیتها عن غیر مسألة اعنت علیها (بخاری، حدیث نمبر ۷۱۴۶) عبدالرحمن بن سمرۃ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبدالرحمن! امارت طلب مت کرو، بے شک اگر وہ تم کو مانگنے سے دی گئی تو تم اسی کے حوالے کردیئے جاؤ گے اور اگر بغیر مانگے عطا کی گئی تو اللہ کی طرف سے مدد کی جائے گی۔ بلکہ ایک جگہ تو نبی علیہ السلام نے یہاں تک فرمادیا امارت وعہدہ کی حرص وتمنا قیامت کے دن حسرت وافسوس کی شکل میں ظاہر ہوگی، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی قال! انکم ستحرصون علی الأمارة وستکون ندامة یوم القیامة (بخاری، حدیث نمبر ۷۱۴۸) ہر امارت وعہدہ تو بڑی بھاری ذمہ داری وامانت کی چیز ہے، کیا یہ معقول ومحمود ہے کہ انسان زبردستی لڑجھگڑا کر اپنے سر وکندھوں پر بھاری بوجھ اٹھائے اور کوئی بوجھ نہ ڈالے تو اسی سے لڑنے لگے۔

اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ آدمی بوجھ اٹھانے اور کندھوں کو بوجھل کرنے کے لئے لڑتا رہے، اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے بوذرؓ! تم کمزور ہو اور یہ ایک (بھاری) امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا سبب بننے والی چیز ہے، اسی لئے کسی دو پر ذمہ دار وامیر نہ بننا اور یتیم کے مال کا ولی نہ بننا۔

(مسلم شریف: حدیث نمبر ۱۸۵۲، ۱۸۲۶)

بلکہ اس معاملہ میں یہاں تک سخت وعید آئی ہے کہ جو بندہ کسی معاملہ کا یا مخلوقِ خدا کا ذمہ دار بننے کے بعد صحیح طور پر اس کو حق کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ نہ نبھائے تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، یعنی جنت میں نہ جائے گا نبی ﷺ نے فرمایا: ما من عبد استرعاه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة إلا لم یجد رائحة الجنة (بخاری، حدیث نمبر ۷۱۵۰)

حضرت حاکمؒ نے مستدرک میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے جس پر ذھبیؒ نے صحیح ہونے کا حکم بھی لگایا ہے، لیوشک رجل ان یتمنی أنه خر من الثریا ولم یل من امر الناس شیئا (مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۷۰۱۵) ''عنقریب ایسا ہوگا کہ ایک (خدا ترس) آدمی یہ چاہے گا کہ وہ ثریا سے گر جائے لیکن لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار نہ بنے۔''

خلاصہ یہ کہ اتنی بے شمار وعیدیں ہوتے ہوئے اس راہ پر قدم رکھنا بڑا ہی پُرخطر مرحلہ ہے اور لڑکر زبردستی اس راہ پر چلنا اور امارتوں وعہدوں کے لئے آگے بڑھنا تو جرأت ودلیری ہے جو ناعاقبت اندیش ہی کرسکتا ہے۔

حق پر ہوتے ہوئے حق سے دستبردار ہوجانے پر وعدۂ نبوی:

موجودہ حالات میں جو صورتحال چل رہی ہے اور جہاں کہیں امارتوں وعہدوں ونزاعات کو لے کر رسہ کشی اور کھینچا تانی چل رہی ہے جس کی وجہ سے پوری امت میں ایک عجیب قلق واضطراب دیکھنے میں آرہا ہے، اور گروہ بندیاں وپارٹی سازیاں چل رہی ہیں نیز افواہوں کا بازار انتہائی عروج پر اور بے پَر کی اڑائی ہوئی اطلاعات پورے شباب پر ہے؛ ایسے میں ہم ذمہ داروں اور پیشوایان قوم سے گذارش کرتے ہیں کہ ایسے نازک حالات میں حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوجائیں تاکہ اس خوشخبری کے مصداق بن جائے کہ نبی علیہ السلام نے وسطِ جنت ایسے شخص کے لئے شاہی محل دلوانے اور بنوانے کی ذمہ داری لی ہے جو جھگڑے کو اور حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کو چھوڑ دے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: أنا زعیم ببیت فی ربض الجنة لمن ترک المراء وإن کان محقا (ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۸۰۰)

اور یہی حضرت حسنؓ نے کیا تھا۔ آج اسی کردار حسنی کو زندہ کرنے اور اعلیٰ ظرفی ووسعتِ قلبی ظاہر کرنے اور امت کو (جو کہ ہلاکت وتباہی کے دہانے پر کھڑی ہے) فتنہ وانتشار سے بچانے کی ضرورت ہے۔

اللہ ہمیں ہمت وحوصلہ عطا فرمائے، اور اس کاز میں آگے بڑھنے اور کردار حسنؓ کو زندہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

رباعی

بُت انا کا توڑنا ہوگا
فنا سے ناطہ جوڑنا ہوگا
رفعت کا گر طالب ہے شکیلؔ
خودی کو اپنی چھوڑنا ہوگا

مولانا شکیل بیدری

اصلاحِ معاشرہ

اللہ کے نزدیک ہر نیک عمل قابلِ قدر ہے

حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی*

قرآن کریم اور احادیث میں فرائض وواجبات کے علاوہ بہت سارے ان امور کی نشان دہی کی گئی ہے جو اعمالِ خیر ہیں اور ان کے کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ البتہ اس بارے میں ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن ایک اصولی کتاب ہے اور اس میں زیادہ تر اصول بتائے گئے ہیں، چنانچہ مختلف مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ ''تم جو بھی (اللہ کے راستے میں) مال خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے'' (البقرہ) یا یہ کہ ''اگر کسی نے ذرہ برابر بھی خیر کا کام کیا ہوگا تو وہ اسے دیکھے گا'' (الزلزال) یعنی اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یا یہ کہ ''اگر کسی نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنے لیے کیا اور جس نے کوئی برا عمل کیا تو اس نے اپنے لیے کیا'' (فصلت) علامہ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی جس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس کا نفع اسی کو ہوگا، جبکہ اگر کسی نے کوئی برا عمل کیا تو اس کا وبال بھی اسی کو ہوگا۔ اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی بندے کو بے وجہ سزا یا عذاب نہیں دے گا، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی نیکی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالے گا، جو عمل جس شخص نے کیا ہے اسی کو اس کا بدلہ ملے گا۔ ان آیاتِ پاک سے اصولی طور جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ خیر کا کام کوئی ایک نہیں ہے اس کی متعدد شاخیں اور جہتیں ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑا سے بڑا اور چھوٹا سے چھوٹا ہر طرح کا نیک عمل اللہ کے یہاں اجر وثواب کے اعتبار سے اہم ہے اور ہر بندے کو اس کے کیے ہوئے عمل کا اجر پورا پورا ملے گا۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ وہ اعمالِ خیر کی خود بھی عادی ہو جائیں اور معاشرے میں اسے پھیلانے کا بھی سبب بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو ایسے کاموں پر ابھارنے کے لیے خود بھی ان کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور انھیں تلقین بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں رغبت دلانے کے لیے گزشتہ قوموں کے نیک لوگوں کے قصے بھی سناتے تھے۔ صحابہؓ بھی وقتاً فوقتاً آپ

*صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

سے دریافت کیا کرتے تھے کہ اللہ کے رسولؐ! کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ اجر والا اور بہتر ہے اور موقع کی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مختلف جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے دریافت کیا ''اے اللہ کے رسول! کونسا عمل افضل ہے؟'' تو آپ نے جواب دیا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا''۔ ہم لوگ چوں کہ مسلم خاندان میں پیدا ہوئے اور اسلام ہمیں گویا وراثت میں ملا ہے اس لیے اس کی اہمیت اتنی اچھی طرح ہمیں سمجھ نہیں آئے گی؛ لیکن غور کیجیے کہ ایک ایسا معاشرہ ہو جہاں تمام کے تمام لوگ اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہوں اور اسکے ساتھ بہت سی دوسری چیزوں کو شریک کرتے ہوں اور وہاں ایک معبود کو ماننے کا کوئی تصور بھی نہ ہو، تو ایسے معاشرے میں رہتے ہوئے پہلے تو ایمان کی اہمیت کا ادراک کرنا اور پھر خدائے واحد کو ماننا اور اس کا اعلان کرنا کتنا مشقت بھرا کام ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے لیے قرنِ اول کے مسلمانوں کی مثال کافی ہونی چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت وتبلیغ شروع کی اور آپؐ کی باتیں کچھ لوگوں کے دل کو لگیں اور انھوں نے خدائے واحد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا فیصلہ کیا تو انہیں کتنی جوکھم اٹھانی پڑی، وہ اپنے ہی گھر، معاشرے اور شہر میں اجنبی بنا دیے گئے، انہیں طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہیں اپنا محبوب وطن تک چھوڑنا پڑا۔ ایسے ماحول میں یقیناً ایمان لانا افضل ترین عمل ہوگا۔ اس کے کچھ نمونے تو ہمارے زمانے میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں یا خبروں کے ذریعے سے پتا چلتا ہے کہ جب کوئی نیک بخت انسان اللہ کی توفیق سے اسلام کے دامن میں پناہ لیتا ہے تو اس کے لیے بے پناہ پریشانیاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے تو اپنے گھر اور خاندان سے جدا ہونا پڑتا ہے، اس مرحلے سے نکلے تو پھر آج کے دور میں بے شمار قانونی پریشانیاں پیش آتی ہیں مگر جو لوگ پورے ہوش وحواس کے ساتھ اور دینِ اسلام کی اہمیت وحقانیت کو سمجھ کر اس کے آغوش میں پناہ لیتے ہیں وہ ان تمام حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دین پر قائم رہتے ہیں، ایسے میں یقیناً ایمان لانا افضل اعمال کی فہرست میں نمبر اول پر ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں دوسرا افضل عمل اللہ کے راستے میں جہاد کو بتلایا گیا ہے یہ اسلام کے اولین عہد کے مطابق قتال کے معنی میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ نہ صرف اندرونی وبیرونی سازشوں میں مصروف تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کوشش میں بھی رہتے تھے کہ اگر مسلمان اپنی عادت سے باز نہ آئیں تو انہیں تلوار کے زور پر پست کیا جائے اور اسلام کا (نعوذ باللہ) خاتمہ کر دیا جائے۔ ایسے ماحول میں لوگوں میں استقامت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے یہ کہنا ضروری تھا کہ اللہ کے راستے میں لڑنا بھی ایک افضل عمل ہے۔ پھر حالات اور

مواقع کے حساب سے یہ عمل قیامت تک کے مختلف ادوار میں افضل ہوگا۔ اگر مسلمانوں کے ساتھ دنیا کے کسی بھی خطے میں ایسی صورتِ حال پیدا ہوجائے کہ اسلام باطل کے نرغے میں ہو اور اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو مٹانے کے لیے آمادۂ پیکار ہوں تو اس وقت ان سے مقابلہ کرنا افضل عمل ہوگا جہاد کا ایک اور مفہوم جو احادیث سے ہی ثابت ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے نفس اور نفس کی برائیوں سے لڑیں اور اپنے آپ کو اسلام کے احکام و آداب کا عادی بنانے کی کوشش کریں۔ بلکہ ایک حدیث میں تو اللہ کے نبی ﷺ نے نفس سے لڑنے کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے یعنی یہ سب سے بڑا جہاد ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور اسے راہِ راست سے نہ بھٹکنے دے۔ آگے حضرت ابوذرؓ اللہ کے نبی ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ ''کونسے غلام کو آزاد کرنا افضل ہے؟'' تو اس کے جواب میں اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں ''جو غلام اپنے آقا کی نگاہ میں سب سے زیادہ نفیس ہو اور جو قیمت میں بھی سب سے زیادہ ہو'' اس سے یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ کے راستے میں عمدہ اور نفیس اور قیمتی چیز خرچ کرنی چاہیے، جیسا کہ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''تم نیکی کو نہیں پاسکتے یہاں تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرو'' (آل عمران) لیکن چوں کہ ہر آدمی کی تو اتنی استطاعت ہے نہیں کہ وہ ایک عمدہ، نفیس اور قیمتی غلام کو خرید کر آزاد کرسکے، حضرت ابوذرؓ کے ذہن میں بھی یہ خیال آیا چنانچہ انھوں نے دریافت کیا ''اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر کسی کام کرنے والے انسان کی مدد کرو یا کسی معذور کے لیے کام کرو'' اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص اپنے بال بچوں اور گھر خاندان کے لیے محنت مشقت کرکے روزی حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے لیکن وہ اس کے لیے کافی نہیں ہورہا تو آپ اس کا ہاتھ بٹائیے، اس کے کام میں آپ اس کی مدد کردیجیے تاکہ وہ اتنا کماسکے کہ اس کا گھر بار چل سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص ایسا ہے جو کوئی کام کرنا نہیں جانتا یا وہ کسی ایسے جسمانی عذر کا شکار ہے جس کی وجہ سے اس سے کوئی کام نہیں ہو پارہا ہے، تو آپ اپنی طرف سے محنت مشقت کرکے یا مال کے ذریعے اس کے لیے روزی کا انتظام کردیجیے۔ اس کے بعد بھی حضرت ابوذرؓ نے ایک سوال کیا، پوچھا ''اللہ کے نبی ﷺ! اگر میں کوئی کام نہ کرسکوں تو؟'' تو آپؐ نے جواب دیا ''پھر تم اپنی جانب سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دو، یہ تمہارے لیے اپنی ذات پر صدقہ ہے''۔ اس حصے میں نیکی اور عملِ صالح کی آخری حد بتادی گئی ہے کہ اگر آپ کے اندر اتنی بھی استطاعت نہیں ہے کہ کسی صاحبِ ضرورت کی ضرورت میں کام آسکیں تو پھر کم سے کم اپنے آپ کو ایسا بنائیے کہ کسی کی ذات کو آپ سے تکلیف نہ پہنچے، کوئی ایسا عمل نہ کیجیے جو کسی کی رنجیدگی کا باعث ہو اور آپ کا یہ عمل بھی عنداللہ صدقے کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلام نے نیک عمل کا دائرہ محدود نہیں رکھا ہے بلکہ وہ حالات اور انسانی طاقت واستطاعت کے حساب سے پھیلا ہوا ہے اور جو شخص بھی ان میں سے کوئی عمل کرے گا تو وہ عنداللہ ماجور ہوگا۔ اس سے ایک چیز اور سمجھ میں آتی ہے کہ ہم اگر کوئی بڑا اور اہم نیک عمل کر رہے ہیں اور دوسرے لوگ نہیں کر رہے ہیں یا وہ کسی دوسرے عمل سے وابستہ ہیں تو اس پر ان کی تحقیر نہیں کی جاسکتی، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے عمل کی کوئی اہمیت نہیں یا یہ کہ اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کچھ لوگ دینی علوم کی تدریس واشاعت میں مشغول ہیں تو وہ دوسرے شعبے کے کام کو اتنی اہمیت نہیں دیتے یا بہت سے دعوت و تبلیغ کے بھائی علماء اور طلباء کو کم تر خیال کرتے ہیں یا اسی طرح اگر کوئی شخص مالدار ہے اور وہ اپنے مال کے ذریعے بہت سے لوگوں اور اداروں کی مدد کرتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی وسماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم اولاً تو نیکی کے کاموں سے جی چراتے ہیں یا اگر کرتے ہیں تو ساتھ ہی نہ کرنے والوں کو طعنہ دیتا یا انہیں کمتر سمجھنا بھی ہماری عادت ہوچکی ہے۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ آپؐ نے کس طرح انسانی فطرت اور اس کی وسعت وصلاحیت کا خیال رکھتے ہوئے بھرپور گنجائش رکھی اور یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ کوئی بھی بڑا یا چھوٹا نیک عمل کر سکنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، تو کم از کم اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دیں اور اسے بھی صدقہ قرار دیا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک کوئی بھی عمل حقیر اور چھوٹا نہیں ہے اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنی وسعت کے مطابق نیک اعمال کرتے رہیں تاکہ دنیا وآخرت میں ہمیں ان کا اچھا سے اچھا بدلہ مل سکے۔

کیا آپ اپنے بچوں کا پیار سے بوسہ لیتے ہیں؟!

ایک بدو نے حاضر خدمت ہوکر پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

کیا آپ اپنے بچوں کا پیار سے بوسہ لیتے ہیں، ہم تو ایسا نہیں کرتے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اگر تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

(کتاب الادب: ۵۹۹۸، بحوالہ مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:63)

اصلاحِ معاشرہ

یوم الجمعہ؛ فضائل ومسائل

از: مفتی آصف علی سعید قاسمی*

موجودہ معاشرہ میں شعائر اسلام کی عظمت وتقدس کا شعور ختم ہوتا جارہا ہے، اسلامی عقائد ومسائل سے جہالت، علم صحیح کی طلب میں غفلت اور اپنی دینی معلومات پر عمل کی مداومت کا نہ ہونا یہ وہ صورت حال ہے جو روز افزوں ہے، آج جہاں انفرادی عبادات میں سستی اور بے رغبتی جڑ پکڑتی جارہی ہے وہیں اجتماعی عبادات مثلاً قیام جمعہ وعیدین میں بھی امت کا حال ناگفتہ بہ ہوتا جارہا ہے خصوصاً اقامت جمعہ ـــ جو اسلام کا نہایت ہی اہم اور ضروری عمل ہے ـــ میں عام اہل ایمان کی صورتِ حال بہت ہی قابل اصلاح ہے اس کی اہم وجہ عظمت یوم جمعہ کا دل سے رخصت ہوجانا ہے، اسی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے ارادے سے یوم جمعہ کے فضائل ومسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

اجتماعی عبادات کے لئے جمعہ کا انتخاب امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت:

جمعہ سید الایام ہے اللہ نے امت محمدیہ کو یہ مبارک دن عطا فرمایا، قوم یہود نے اجتماعی عبادت کیلئے ہفتہ کا اور عیسائیوں نے اپنے لئے اتوار کا انتخاب کیا تھا اور ان دوقوموں نے اپنے اجتہاد سے ان دنوں کا انتخاب کیا لیکن ان کا یہ انتخاب منشاء خداوندی کے مطابق نہیں تھا جبکہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل یہ ہوا کہ انہوں نے اجتماعی عبادت کیلئے اس دن کو منتخب کرلیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت اسعد بن زُرارہؓ نے مدینہ کے ایک باغ میں جمعہ قائم فرمایا جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد کل چالیس تھی۔

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ: (۱۵۰/۲) فضل الجمعہ میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جبریل میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں سفید آئینہ جیسی کوئی چیز تھی اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا، میں نے پوچھا: جبریل یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ جمعہ ہے میں نے پوچھا جمعہ کیا ہے؟ فرمایا آپ کے لئے اس میں خیر ہے، میں نے پوچھا: اس میں کیا خیر ہے؟ فرمایا: وہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے روز عید ہے اور یہود ونصاریٰ

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

تمہارے پیچھے ہیں، یعنی ان کی عبادت کے دن بعد میں آرہے ہیں، میں نے پوچھا: اس دن میں کیا خصوصیت ہے؟ فرمایا: اس میں ایک ساعت مرجوّہ (مقبول گھڑی) ہے، میں نے پوچھا اس میں یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟ فرمایا یہی وہ ساعت مرجوّہ ہے جو جمعہ کے دن میں ہوتی ہے اور یہ دنوں کا سردار ہے، قیامت کے دن ہم اس کو یوم المزید کہیں گے۔

دعا کی قبولیت کی گھڑی جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ کوئی مسلمان بندہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی مانگ لے اور وہ اس کے حق میں مقدر بھی ہو تو وہ ضرور اس کو دی جاتی ہے اور اگر مقدر میں نہ ہو تو وہ دعا ذخیرہ کرلی جاتی ہے اور مطلوبہ چیز سے اللہ تعالیٰ بہتر چیز عطاء فرماتے ہیں اور اگر اس نے کسی شر سے پناہ چاہی ہے اور وہ شر مقدر نہیں ہوتا تو اس سے اس شر کو ہٹا دیا جاتا ہے اور اگر مقدر ہوتا ہے تو اور کوئی بڑی آفت ٹال دی جاتی ہے۔

فضل یوم الجمعہ کی مزید وجوہات:

اسی طرح کسی دن میں اہم امور پیش آنے سے بھی اس دن کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ جمعہ کے دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے آپ ابوالبشر ہیں پس آپکی تخلیق پوری انسانیت پر احسان عظیم ہے جمعہ کے دن حضرت آدمؑ جنت میں داخل کئے گئے اور انسانوں کے مورث اعلیٰ کا جنت کی نعمت سے سرفراز کیا جانا ساری اولاد پر احسان عظیم ہے، جمعہ کے دن حضرت آدمؑ کو جنت سے زمین پر اتارا گیا اور آپ کو خلافت ارضی کا تاج پہنایا گیا، پس یہ اولاد آدم کے لئے بھی بڑا اعزاز ہے اور آئندہ بھی جمعہ کے دن چند اہم امور انجام پائیں گے، مثلاً یہ کہ قیامت جمعہ کو برپا ہوگی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن کائنات پر بیہوشی طاری ہوگی اور قیامت کے دن ہی لوگ جنت میں جائیں گے پس نیکوں کے حق میں قیامت کا دن انعام کا دن ہے۔

جمعہ کا وجوب اور اس کے ترک پر وعیدیں:

جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے مگر عورت یا بچہ یا غلام پر جمعہ نہیں ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی تخفیف ہے جن پر جمعہ تک پہنچنا دشوار ہے، باقی جن پر بھی جمعہ واجب ہے ان کا جمعہ چھوڑنا دین کی بے قدری کا دروازہ کھولتا ہے اور ترک جمعہ سے شیطان انسان پر غالب آجاتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا تو جمعہ چھوڑنے والے اپنی حرکت سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کردیں گے پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (مشکوٰۃ: ۱۳۷۰)

جمعہ کے روز صفائی وجائز آرائش:

جمعہ کے دن تنظیف کا اہتمام یعنی مسواک کرنا خوشبو لگانا اور اچھا لباس پہننا مستحب ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جمعہ میں ارشاد فرمایا: مسلمانو! جمعہ کا یہ دن عید (خوشی) کا دن ہے پس نہاؤ اور جس کے پاس خوشبو ہو اس پر کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں سے لگائے اور مسواک تو تم ضرور کرو (مشکوٰۃ: ۱۳۹۸) دوسری روایت میں ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے کپڑوں کا ایک جوڑا بنالو (مشکوٰۃ: ۱۳۸۹) کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ طہارت کا ثمرہ سرور وانبساط ہے اور وضو کے بہ نسبت زیادہ انبساط غسل سے حاصل ہوتا ہے اور خوشبو لگانے سے اور اچھا لباس زیب تن کرنے سے یہ کیفیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور جس قدر طہارت ونظافت کا اہتمام ہوگا اسی قدر نماز کامل ہوگی۔

جمعہ کے لئے پیدل جانا اور اہتمام سے خطبہ سننا:

جمعہ کی نماز کے لئے حتی الامکان جلدی جانا چاہئے اور کوئی خاص مجبوری نہ ہو تو پیدل جانا چاہئے اور مسجد میں امام کے قریب رہنا چاہئے اور جب خطبہ شروع ہو تو لایعنی کام نہیں کرنا چاہئے اور خاموش رہ کر غور سے خطبہ سننا چاہئے، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو جمعہ کے دن نہایا دھویا اور خوب سویرے گیا اور چل کر گیا سوار ہو کر نہیں گیا، اور امام سے قریب رہا اور غور سے خطبہ سنا اور کوئی لغو کام نہیں کیا تو اسکو ہر قدم پر ایک سال کے عمل کا ثواب ملے گا اس کے روزوں کا اور تراویح کا (مشکوٰۃ: ۱۳۸۸) پھر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیدل جانے سے اللہ کیلئے عاجزی اور خاکساری ٹپکتی ہے۔ اسی طرح خطبہ غور سے سننا اس لئے ضروری ہیکہ اس سے خطبہ میں غور کرنے کا اور نصیحت پذیری کا خوب موقع ملے گا باتیں کرنے سے یا بیکار کاموں میں لگے رہنے سے خطبہ سننے کا مقصد فوت ہو جائیگا۔

خطبہ سے پہلے سنتیں پڑھنا:

خطبہ شروع ہونے سے پہلے سنتیں اور دیگر نوافل پڑھنا، فرض نماز سے پہلے نوافل وسنن پڑھنا آلۂ صیقل کا کام کرتا ہے جس سے انسان کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے اور اس کا قلب جگمگا اٹھتا ہے جس سے انسان کے لئے اپنی توجہ سمیٹ کر فرض ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

گردنیں پھاند کر آگے بڑھنا اور اس کی ممانعت:

مسجد میں پہنچ کر آگے بڑھنے کے لئے لوگوں کی گردنیں نہ پھاندنا چاہیے نہ دو شخصوں کے درمیان گھسنا

چاہئے نہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا چاہئے۔ احادیث میں ان سب باتوں کی ممانعت آئی ہے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندے وہ قیامت کے دن جہنم کا پل بنایا جائے گا یعنی اس پر لوگ جہنم میں جائیں گے۔ (مشکوٰۃ: ۱۳۹۲) اور فرمایا کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اُٹھائے اور اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ کہے کہ تھوڑی جگہ دے دو۔ (مشکوٰۃ: ۱۳۸۶) اور حضرت سلمانؓ کی ایک طویل روایت میں دو شخصوں کے درمیان گھسنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱۳۸۱) پس ہر مجمع میں ان باتوں سے بچنا ضروری ہے۔

حاصل کلام:

بہر حال! جمعہ کے دن حتی الامکان پاکیزگی اور صفائی کا اھتمام کرنا، مسجد میں جلد پہنچنا، کسی کو اذیت نہ دینا حسب توفیق نوافل پڑھنا، ادب وتوجہ کے ساتھ خطبہ سننا اعمالِ جمعہ میں داخل ہے اور نماز جمعہ ادا کرنا ان اعمال صالحہ کی برکت سے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے، وہ مؤمنین کی اجتماعی دعا اور ان کی صحبت کی برکت سے قلوب فیض یاب ہوتے ہیں اور پند وموعظت کے انمول موتی حاصل ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ اعمال ہفتہ بھر کے گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتے ہیں بس شرط یہ ہیکہ ہم پورے یقین سے ان امور کا اھتمام کریں، یہی اقامت جمعہ کا شریعت میں مطلوبہ معیار ہے، اسی معیار پر ہمیں جمعہ قائم کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق دے اور اپنی منہیات سے بچائے، واللہ ولی التوفیق۔

نصیحت سے نفع ہوتا ہے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

تقریر سے نفع عام ہوتا ہے اور تحریر سے نفع خاص، اس لئے بہ نسبت تحریر کے تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، پھر تقریر میں نفع خاص اور عام دونوں ہیں، درس جس کا نفع خاص طلبہ کو ہے اور وعظ کا نفع عوام کو ہے ان دونوں کی تکمیل کی ضرورت ہے کہ بوقت درس طلبا سمجھ جائیں اور بوقت وعظ عوام الناس پوری طرح سمجھ جائیں۔ (تعلیم البیان ص: ۱۵)

تعاقب فرق باطلہ (۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے ان خصوصیات میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے خیر امت کا لقب ملا ہے اور یہ امت افضل الامم سے موسوم ہوئی ہے۔ سابقہ امتوں میں امر بالمعروف اور نہی المنکر کی ذمہ داری خصوصیت کے ساتھ انبیاء ورسل کے کاندھوں پر ڈالی جاتی تھی، چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسالت ونبوت ختم ہوگئی ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوں گے، اس لئے دعوت وتبلیغ اور امر ونہی کا بار گراں اس امت کے دوش ناتواں پر ڈالا گیا ہے، نیز یہ امت اس مفوضہ ذمہ داری کو سنبھالنے کی مسلسل کوشش کر رہی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''لا یزال من امتی امة قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم و لا من خالفهم حتی یتیهم امر الله و هم علی ذالک (رواہ البخاری: ۳۶۴۱) کہ میری امت میں سے ایک جماعت ایسی برابر رہے گی جو اللہ کے حکم کو قائم رکھے گی جو ان کو نامراد کرنا چاہے گی یا ان کی مخالفت کرے گی وہ لوگ ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ آجائے اور وہ حضرات اسی حال پر ہوں گے۔

معروف ومنکر کی تعریف:

لغت میں معروف کے معنی عمدگی، جانا پہچانا اور وجود کے ہیں، زجاج نے کہا کہ افعال میں سے جو پسندیدہ اور مستحسن ہو اُسے معروف کہا جاتا ہے ـــــ منکر، یہ معروف کی ضد ہے منکر کے معنی ناپسندیدہ، اجنبی کے ہیں، نیز ناپسندیدہ اور برے افعال کو منکر کہا جاتا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے معروف ہر اس شئ کو کہا جاتا ہے جس کے حسن اور خوبی کی معرفت نقل وعقل سے ہوتی ہو۔ چنانچہ الفاظ معروف طاعت الٰہی، تقرب خداوندی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک جیسے تمام افعال کو جامع ہوگا اور اصطلاحی اعتبار سے منکر ہر وہ امر ہے جس کی قباحت و

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

شناعت نقل وعقل سے معلوم ہوتی ہو، یہ لفظ شرع وعقل کے اعتبار سے ہر قبیح اور غیر مستحسن افعال کو شامل ہے، تو امر بالمعروف کا مطلب ہوگا کہ شریعت کے مستحسن اور مندوب کاموں کی طرف ارشاد ورہنمائی کرنا اور نہی عن المنکر کا مطلب ہوگا کہ شریعت جن افعال پر ملامت کرتی ہے اور جرم قرار دیتی ہے۔ ایسے افعال پر روک ٹوک کرنا اور ان کے ارتکاب کے نقصانات بیان کرنا وغیرہ۔

احکام واقسام:

امر بالمعروف اور نہی المنکر کے سلسلے میں اھل السنۃ والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ فرض علی الکفایہ ہے، بایں معنیٰ کہ امت کے کچھ لوگ اس فریضہ کو ادا کردیں تو تمام امت کے سر سے اس کا بوجھ اتر جائے گا اور اگر کوئی فرد بھی اس ذمہ داری کو پورا نہ کرے تو پوری امت گنہگار ہوگی اور کوئی بھی اس سے سبکدوش نہیں ہوگا۔

یہ حکم بیشتر کتب میں اسی طرح مجمل اور غیر واضح ملتا ہے البتہ بعض کتابوں میں اس کی تفصیل مندرج ہے شیخ ابراہیم باجوری شافعی کی رائے یہ ہے کہ امر بالمعروف مامور کے تابع ہوگا اگر مامور مندوب ہے تو امر بھی مندوب ہوگا اور اگر واجب ہے تو امر بھی واجب ہوگا اسی طرح نہی عن المنکر بھی منہی عنہ (جس فعل سے روکا گیا ہو) کے تابع ہوگی اگر منہی عنہ مکروہ ہے تو نہی مستحب ہوگی اور اگر منہی عنہ حرام ہے تو اس سے نہی واجب ہوگی۔

(تحفۃ المرید شرح جواھر التوحید ص: ۲۰۲، بحوالہ المعتزلہ واصولھم الخمسۃ وموقف اھل السنۃ ص: ۲۷۳)

امر ونہی کے یہ اقسام حکم کے اعتبار سے ہیں اور ان دونوں کی ایک تقسیم ان کے قائم کرنے والوں کے اعتبار سے ہے چنانچہ امر ونہی قائم کرنے والوں کے اعتبار سے ان کی دو قسمیں تحریر کی گئی ہیں، (الف) ایک وہ جن کی تنفید واقامت والی اور حاکم کے ذمہ ہے جیسے اقامت حدود، سرحد کی حفاظت، لشکر تیار کرنا، تعزیرات وغیرہ (ب) دوسرا وہ جن کا نفاذ واجراء عالم لوگوں کے ذمہ ہے جیسے نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی ترغیب دینا، چوری، زنا، چغلی وغیرہ منکرات سے روکنا یہ سب امور عوام الناس کو انجام دینا۔

پھر نہی عن المنکر کے وسائل تین ہیں؛ (الف) ید۔ (ب) لسان۔ (ج) قلب۔ اگر حکم ومنع کرنے والے کے پاس ید (ہاتھ) یعنی قوت ہو اور بزور بازو امر ونہی سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو قوت وطاقت کا استعمال کرکے اقامت فرائض پر آمادہ کرنا اور محرمات ومنکرات کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ سے جہاد کیا تھا اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کیا تھا یا جیسے والدین اپنے نابالغ بچوں کو اطاعت اور محرمات سے اجتناب پر مجبور کریں، مگر عوام الناس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کام کے لئے سیف کا استعمال کرے ورنہ تو امر ونہی بجائے خود ایک فتنہ بن جائے گا اس لئے علماء وعوام صرف وسیلۂ لسان کا

استعمال کریں، وعظ ونصیحت کریں، بیان وتقریر سے کام لیں، وعدہ اور وعید سنائیں، اسی وسیلہ لسان کا دوسرا رخ کتاب وکتابچہ ہے، تصنیف وتالیف ہے ورقیہ وغیرہ کی نشر واشاعت کرنا ہے، نیز دین کے کام میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا کرنے کے لئے زبان دانی بھی اسی کا حصہ ہے۔

نیز امراء وحکام اگر فرائض کا اہتمام نہ کریں اور معصیات وذنوب، ظلم وجور میں پھنس جائیں تو ان کے لئے بھی تذکیر وتعلیم ہی ہے ان کے خلاف خروج وبغاوت جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں اور معصیت کفر وانکار تک نہ پہنچے اور اگر حالات سازگار نہ ہوں اور ماحول زبان سے منکر کو روکنے کی اجازت نہ دے تو دل سے برا جانے یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے۔ (الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ص: ۱۸، لابن تیمیہ بتصرف)

الحاصل اھل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی المنکر درج ذیل امور پر مشتمل ہے (الف) امر ونہی فرض علی الکفایہ ہے۔ (ب) باعتبار حکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دو قسمیں ہیں؛ واجب اور مندوب (ج) قائم کرنے والوں کے اعتبار سے امر ونہی کی دو قسمیں ہیں (۱) امر ونہی جو ائمہ اور حکام کے ساتھ مختص ہے۔ (۲) جو عوام الناس کے ساتھ مختص ہے۔ (د) وسیلہ امر ونہی کی ترتیب اس طرح ہے ہاتھ کا استعمال کیا جائے پھر زبان کا پھر قلب کا۔ (ہ) اھل السنۃ کے نزدیک سلاطین وحکام جب تک نماز قائم کریں ان کے خلاف خروج وبغاوت جائز نہیں ہے۔ (و) اھل السنۃ کے یہاں مومن فاسق سے قتال کی اجازت نہیں جب تک وہ اسلام سے کفر کی طرف خروج نہ کریں۔

آیئے اب ہم قلم کا رخ دلائل کی طرف پھیرتے ہیں تاکہ ہمارا اپنا موقف مستحکم ومضبوط ہو جائے۔

وجوب کفایہ:

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد گرامی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰

تم لوگ سب امتوں میں بہتر ہو، تم لوگوں کے نفع کے لئے پیدا کئے گئے ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئے، یقیناً وہ ان کے لئے خیر ہوتا، ان میں سے کچھ لوگ ایمان والے ہیں اور ان میں اکثر بے عمل ہیں۔

اس آیت شریفہ کے بارے میں امام رازیؒ لکھتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری امت پر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب کیا ہے (تفسیر رازی ۸/۳۱۶)

دوسری جگہ اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (ال عمران:)

اور چاہئے کہ تم لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلائیں، اور بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

دکتور وھبہ بن مصطفی الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ امت اسلامیہ کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امت اسلامیہ سے ایک جماعت ایسی ہو جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ مختص ہو۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبۃ:)

اور مؤمنین کو یہ زیبا نہیں ہے کہ سب نکل کھڑے ہوں، ان کے ہر فرقہ سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو دین کا علم حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب کہ وہ ان کے پاس لوٹ کر آئیں تاکہ وہ لوگ ڈرنے والے ہو جائیں۔

صاحب روح البیان اسماعیل حقی بن مصطفی الخلوتی آیت شریفہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفی الآیۃ علی ان التفقہ والتذکیر من فروض الکفایۃ کہ آیت میں تفقہ اور تذکیر کے فرض کفایہ ہونے پر دلیل ہے اور اسی سے امر و نہی کی تقسیم، وجوب اور مندوب کی جانب بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ معروفات میں بعض مسنون و مستحب ہے اسی طرح منکرات میں سے بعض مکروہ اور ناپسندیدہ بھی ہے تو جب یہ افعال خود آمر اور ناہی پر واجب نہیں ہیں تو دوسروں کو ایسے معروف کا حکم کرنا اور ایسے منکر سے منع کرنا واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ باجوری کا قول سابق میں گذر چکا ہے۔ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں ولتکن منکم امۃ الخ کے ضمن میں ان احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ (جاری۔۔۔۔۔۔۔)

لمحۂ فکریہ

خاک وخون کا منظر

(حالات حلب کے پس منظر میں لکھی گئی ایک مؤثر تحریر)

ابوالعباس خاں

وہ کیا ہی کرب انگیز منظر تھا جب کربلائے حلب میں ہزاروں بے دست و پا مسلمان برہنہ سر، برہنہ پا، چشم پرنم و بادل پرغم اپنے گھروں سے بے گھر ہو رہے تھے، زندگی سے مایوس زندگی کی تلاش میں نکل رہے تھے، عزتیں مٹ چکی ہیں، دولت لٹ چکی ہے، سہارے چھن چکے ہیں، آنکھیں خشک، لب خاموش، مستقبل تاریک! بچے بلک رہے تھے، عورتیں سسک رہی تھیں، مرد تڑپ رہے تھے اور بوڑھے.....اُف! کیا روح فرسا منظر تھا، اسلام کے نام پر بنا ہوا ملک، اسلام ہی کو مٹانے پر تلا ہوا، مظلومی و بے کسی، لاچاری و بے بسی کا ایک دلدوز منظر!

یہ پورا منظر ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ حلب کی خاموش فضا میں زَناٹے کی آواز گونج اٹھی، آسمان سے قہر برسنے لگا، گھن گرج کے ساتھ آتشی جہاز میزائل گراتے ہوئے گذر گئے، پوری فضا پہ بارود کی چادر چھا گئی، اور پھر.....پھر بالکل سناٹا، گہری خاموشی، دور دور تک کوئی آواز نہیں، قدم جم سے گئے، سانسیں اٹک سی گئیں، کائنات رک سی گئی، چند لمحوں کے لیے گردش لیل ونہار تھم سی گئی، حواس قابو سے باہر تھے کہ یکا یک زوردار چیخوں، آہوں اور سسکیوں سے بارودی پردہ چاک چاک ہو گیا، خاموش فضا تڑاک سی ہو گئی، اف! خدایا! کس قدر ہولناک منظر ہے؛ خاک وخون میں تڑپتی ہوئی لاشیں، لہو کے فوارے، بکھرے ہوئے اعضا۔ اف! دیکھو! کسی کا بازو کٹا ہے، کسی کا سر پھٹا ہے، کسی کا دھڑ جدا ہے، کسی کی جان حلق میں پھنسی ہے، کسی کا خون نہیں تھم رہا، کسی کی سانس نہیں رک رہی، کسی کا درد نہیں مٹ رہا، کسی کی چیخ نہیں نکل رہی! خاک وخون میں لپٹا ہوا یہ منظر کسی قیامت سے کم نہیں!

ہاں یہ حلب ہے! جہاں زندگی کی جگہ موت، عیش وسلامتی کی جگہ اضطراب، نغمہ ونشاط کی جگہ شور وماتم، زمزمہ سنجی کی جگہ نوحہ خوانی، آب زندگی کی جگہ بحر خونیں، بستیوں کی جگہ قبریں اور بازاروں کی چہل پہل کی جگہ

موت کا ٹانڈو!

ہاں ہاں! یہی حلب ہے! جسے ہم نے فراموش کر دیا ہے، ایک ایسی سرزمین جو خون مسلم سے رنگین ہے، جس کا ماحول بچوں کی چیخوں سے بوجھل ہے، اور جس کی فضا میں ہر پہر عورتوں کی سسکیاں گونجتی ہیں، جہاں کے لوگ مر مر کر جی رہے ہیں اور جی جی کر مر رہے ہیں۔

آؤ! ذرا ان بوڑھی آنکھوں کو دیکھو جو بہتے بہتے خشک ہو چکی ہیں، ان ناتواں کاندھوں کو دیکھو جو لاش ڈھوتے ڈھوتے مفلوج ہو چکے ہیں، ان خمیدہ جسموں کو دیکھو جو بھوک میں لاغر ہو کر پچک چکے ہیں، ان بوجھل قدموں کو دیکھو جو بھاگتے بچتے شل ہو چکے ہیں، آؤ! اس شہر خموشاں کو دیکھو جو جنت سے جہنم بن چکا ہے!

زمین کی پشت پر ہمیشہ اژدہوں نے پھنکاریں ماری ہیں، درندوں نے بھٹ بنائے ہیں، مگر اب تک ایسا سانپ اور اژدہا پیدا نہیں ہوا جیسا شام کے اقتدار پر پھنکار رہا ہے، اور نہ ایسی درندگی و بہیمیت آج تک کسی کو حاصل ہوئی جیسی ابن الاسد کو حاصل ہے۔

آج دنیا بھر کی زمین پیاسی ہے، اس کو خون چاہیے، لیکن کس کا؟ مسلمانوں کا، عراق کی سرزمین کس کے خون سے سیراب ہے؟ مسلمانوں کے، برما کس کے خون سے رنگین ہے؟ مسلمانوں کے، غزہ میں کس کی لاشیں تڑپ رہی ہیں؟ مسلمانوں کی، سرزمین مصر میں کس کا خون بہہ رہا ہے؟ مسلمانوں کا۔ حلب کی زمین بھی پیاسی ہے، خون چاہتی ہے، کس کا؟ بے شک مسلمانوں کا! لیکن کیوں؟ مسلمان ہی کیوں؟

کیونکہ اے مسلمانو! سب سے ارزاں خون تمہارا ہے، سب سے سستی جانیں تمہاری ہیں، کیونکہ تم غافل ہو، تم پر دنیا کا جادو چل گیا ہے، تم نفس کے غلام ہو چکے ہو، تم گمراہی کے قبضہ میں آ گئے ہو، تمہارا احساس مسلمانی فنا ہو گیا ہے، تمہاری اخوت دینی مٹ چکی ہے، اور تم بھی قیصر و کسری کی طرح دولت کے پجاری اور حیات فانی کے حریص بن چکے ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اس سے تمہارا وجود لرز اٹھتا، تمہاری چیخوں سے دنیا دہل جاتی، لیکن آہ! تمہاری غفلت سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوئی، تمہاری نیند کی سنگینی کے آگے پتھروں کے بھی دل چھوٹ گئے، لیکن آہ! تم بیدار نہ ہوئے۔ تم ایسے تو نہ تھے، تمہارے اسلاف تو ایسے نہ تھے؟!

اے مسلمانو یقین مانو! آج حلب لرز رہا ہے- کون ہے جو اس کو تھامے؟ حلب مضطرب ہے- کون ہے جو اس کو تسکین دے؟ حلب فریادی ہے- کون ہے جو اس کی فریاد رسی کرے؟ حلب جل رہا ہے- کون ہے جو اس کی آگ بجھائے؟ ہاں! حلب مٹ رہا ہے- کون ہے جو اس کو سنبھالا دے؟ أليس منكم رجل رشيد!!

نقوشِ رفتگاں

ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

محدث جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالحق اعظمی نور اللہ مرقدہ، شیخ الحدیث ثانی دارالعلوم دیوبند کی وفات کا زخم ابھی بھرا نہیں تھا کہ عالم اسلام کی نامور شخصیت، خادم کتاب وسنت، تلمیذ شیخ الاسلام، استاذ الاساتذہ، شارح بخاری، یادگار اسلاف، ترجمان دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بھی مورخہ 15 جنوری م 16 ربیع الثانی بعد نماز عشاء مختصر علالت کے بعد راہیٔ ملک بقاء ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات سے جہاں علمی حلقے سوگوار ہیں، وہیں وفاق المدارس العربیۃ، اس سے وابستہ ہزاروں مدارس بالخصوص جامعہ فاروقیہ اپنے مخلص سرپرست کی محرومی پر ماتم کناں ہیں اور برصغیر؛ بل کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں تلامذہ اور متوسلین اپنے مشفق استاذ ومربی کی رحلت پر غم زدہ اور سینکڑوں علماء اور قائدین ایک مخلص خادم دین کی جدائی پر افسردہ ہیں۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لاساقی

مختصر سوانحی خاکہ:

دیوبند کے قریب اور تھانہ بھون سے تقریباً متصل قصبہ حسن پور لوہاری ضلع مظفر نگر یوپی آپ کا مولد ومسکن رہا، اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں وطن ہی میں جناب میر منشی بندہ حسنؒ اور منشی اللہ بندہؒ جیسے بزرگوں سے پڑھی، ابتدائی عربی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں اس وقت حاصل کی جب حضرت حکیم الامت کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ مستقل اس کے ذمہ دار ونگران تھے۔

1942ء میں آپ اپنے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کے لیے ازہر ہند، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے فقہ، حدیث وتفسیر ودیگر علوم وفنون کی تکمیل کی اور 1947ء میں آپ نے امتیازی نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں ایک مرتبہ دارالعلوم سے تعطیلات میں گھر آئے رمضان

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

المبارک کی آمد آمد تھی، خیال ہوا کہ کیوں نہ قرآن مجید حفظ کیا جائے تا کہ تراویح میں سنایا جا سکے؛ اس غرض سے ہر روز ایک پارہ یاد کرنا شروع کیا، اس طرح ۲۷ رمضان تک مکمل قرآن حفظ کر لیا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقے میں موجود اپنے استاد و مربی حضرت مسیح الامت کی زیر نگرانی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریسی امور انجام دینے شروع کیے۔ آٹھ سال تک شب و روز کی انتہائی مخلصانہ محنت کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ مدرسہ حیرت انگیز طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور مدرسہ کے طلباء کا تعلیمی اور اخلاقی معیار اس درجہ بلند ہوا کہ دار العلوم دیوبند اور دیگر بڑے تعلیمی اداروں میں یہاں کے طلبا کی خاص پذیرائی ہونے لگی۔ مدرسہ مفتاح العلوم میں آٹھ سال کی شبانہ روز محنتوں کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ پاکستان کی مرکزی دینی درس گاہ دار العلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے پاکستان تشریف لے آئے، تین سال یہاں پر کام کرنے کے بعد آپ ملک کے معروف دینی ادارے دار العلوم کراچی منتقل ہو گئے اور پھر مسلسل دس سال دار العلوم کراچی میں حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، ریاضی، فلسفہ اور ادب عربی کی تدریس میں مشغول رہے، اسی دوران آپ ایک سال حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اصرار پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دار العلوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ فارغ اوقات میں مختلف اسباق پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ پھر علمی میدان میں ایک نئی دینی درس گاہ (جو موجودہ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو) کی تاسیس کو ضروری خیال فرما کر آپ نے جامعہ فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی۔

جامعہ فاروقیہ کا سنگ تاسیس:

جامعہ فاروقیہ، شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کی بے انتہا محنتوں اور کوششوں کے نتیجہ میں 23 جنوری 1967ء مطابق 1387ھ کو معرض وجود میں آیا، اس کی ابتداء علمائے دین کے مخلصانہ مشوروں کے بعد کی گئی؛ جن میں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب اور خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہم شامل تھے۔

آپ کی یہ مخلصانہ جدوجہد اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اتنی مقبول ہوئی کہ تاسیس جامعہ کے بعد سے لے کر اب تک کے مختصر عرصہ میں جامعہ نے تعلیمی و تعمیری میدان میں جو ترقی کی وہ ہر خاص و عام کے لیے باعث حیرت و مسرت اور بانی جامعہ کی بے لوث خدمات کا ثمرہ ہے۔

وفاق المدارس سے وابستگی:

مشیت خداوندی نے برصغیر کے اہل علم کے لئے یہ سعادت مقدر کی کہ انہوں نے ماٰثر اسلامیہ کی حفاظت کے لئے دیگر عالم اسلام کے طریق سے ہٹ کر مدارس دینیہ کے قیام واستحکام کا بے نظیر کارنامہ سرانجام دیا۔ مدارس دینیہ کی یہ عظیم طاقت مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اکابر علماء دیوبند نے ملک کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے، مملکت میں دینی مدارس کے تحفظ واستحکام اور باہمی ربط کو مضبوط بنانے اور مدارس کو منظم کرنے کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت محسوس کی۔

چنانچہ اسی مقصد کے لئے اکابر علماء دیوبند کا اجلاس جامعہ خیر المدارس ملتان میں 20 شعبان المعظم 1376ھ مطابق 22 مارچ 1957ء کو استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کی صدارت میں منعقد ہوا اور ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ تنظیمی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ 14-15 ربیع الثانی 1379ھ مطابق 18-19 اکتوبر 1959 میں باقاعدہ طور پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام سے ایک ہمہ گیر تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں وفاق کے دستور کی منظوری کے ساتھ ساتھ تین سال کے لئے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ صدر وفاق: شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، نائب صدر اول استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، نائب صدر دوم محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، ناظم اعلی: محمود الملۃ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، خازن: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

رابطہ بین المدارس العربیہ کا یہ سنہرا سلسلہ جاری رہا؛ حتی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کو سراہتے ہوئے 1980ء میں آپ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا آپ نے وفاق کی افادیت اور مدارس عربیہ کی تنظیم وترقی اور معیار تعلیم کے بلندی کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ وفاق کی تاریخ میں ایک قابل ذکر روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ نے وفاق کے طریقہ امتحانات کو بہتر شکل دی، بہت سی بے قاعدگیاں پہلے ان امتحانات میں ہوا کرتی تھیں انہیں ختم کیا، پہلے وفاق میں صرف ایک امتحان دورہ حدیث کا ہوا کرتا تھا۔ آپ نے وفاق میں دورہ حدیث کے علاوہ سادسہ (عالیہ)، رابعہ، ثالثہ (ثانویہ خاصہ) ثانیہ (ثانویہ عامہ)، متوسطہ، دراسات دینیہ اور درجات تحفیظ القرآن الکریم کے امتحانات کو لازمی قرار دیا۔ وزارت تعلیم اسلام آباد سے طویل مذاکرات کئے جن کے نتیجے میں بغیر کسی مزید امتحان میں شرکت کئے وفاق کی اسناد کو بالترتیب ایم اے، بی اے، انٹر، میٹرک،

مڈل اور پرائمری کے مساوی قرار دیا گیا۔ فضلائے قدیم جو وفاق کی اسناد کے معادلے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد سے محروم تھے ان کے لیے خصوصی امتحانات کا اہتمام کرایا تا کہ انہیں بھی وفاق کی سندیں فراہم کی جاسکیں۔ وغیرہ

کشف الباری عمانی صحیح البخاری:

"کشف الباری عمانی صحیح البخاری" اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (شاگرد خاص شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی نصف صدی پر مشتمل تدریسی افادات اور سالہا سال کے مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، علاوہ ازیں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات اور ان کے مزاج ومذاق کا مظہر اتم بھی ہے، دراصل یہ حضرت کے دروس ہیں، جو تحقیق، تخریج اور ترتیب کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں اور عوام وخواص، علماء وطلبہ ہر طبقے میں الحمدللہ یکساں مقبول ہو رہے ہیں۔

الغرض: آپ کی وفات درحقیقت خدمت حدیث کے ایک عہد کا خاتمہ ہے، معتدل قیادت وسیادت کے باب کا ناقابل تلافی نقصان ہے، اور علم وعمل، جہد مسلسل، احسان وعرفان کی دنیا کا ایسا خلا ہے؛ جس کی بھرپائی کم از کم مستقبل قریب تک ممکن نہیں۔

جان کر من جملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی ودعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجائیے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

وفیات

لوگ رخصت ہوئے اور لوگ بھی کیسے کیسے!!

ادارہ

احادیث مبارکہ میں قرب قیامت کی نشانیوں کو بتلاتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم اٹھالیا جائے گا؛ جس کی شکل یہ ہوگی کہ علماء ربانیین سے زمانہ خالی ہوتا چلا جائے گا، اللہ کا خوف رکھنے والے بندے جب اس دنیا سے اٹھ جائیں گے تو علم کا خزانہ بھی ان کے ساتھ اٹھالیا جائے گا، اس طرح یہ دنیا ظلمتوں اور تاریکیوں میں گھر جائے گی اور ملت کو صحیح سمت کی طرف گامزن کرنے والے معدودے چندرہ جائیں گے۔

پچھلے ایک ماہ سے مسلسل اکابر اور ان سے وابستہ احباب سے متعلق وفات کی خبریں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارک پر ایمان تازہ ہوگیا اور محشر بدایونی کا یہ شعر نوک قلم پر آ گیا۔

سوچتا ہوں کہ ڈھلیں گے یہ اندھیرے کیسے
لوگ رخصت ہوئے اور لوگ بھی کیسے کیسے !!

حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ

عالی مرتبت، عالی صفات، عالی مقام، نمونہ اسلاف، فنافی اللہ، زہد فی الدنیا کے عملی پیکر، جامع کمالات وصفات حمیدہ، استاذ الاساتذہ، حضرت شیخ الحدیث، بندۂ ناچیز کے خسر حضرت اقدس مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ۳۰/ ربیع الاول کے اختتام اور یکم ربیع الثانی کے آغاز ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب تقریباً سوا سات بجے دیوبند کے مشہور ڈاکٹر ڈی، کے، جین کے اسپتال میں اپنے تمام متعلقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

ضلع اعظم گڑھ کے جن علاقوں نے علم وعمل کی دنیا میں اپنا نام روشن کیا، ان میں سرِ فہرست آپ کی جائے پیدائش ''جگدیش پور'' کا نام نامی بھی ہے، اس سرزمین سے بہت سے نامور علماء، صلحاء اور اہم شخصیات اٹھیں، اور دنیا کو اپنے علمی وروحانی فیضان سے سیراب کر گئیں ان ہی باکمال افراد میں حضرت شیخ کی شخصیت بھی سر

فہرست ہے۔ بیت العلوم سرائے میر اور دار العلوم مئو سے ابتدائی اور متوسطات تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے از ہر ہند دار العلوم دیوبند کا رخ کیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے صحیح مسلم، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ سے سنن ابی داؤد اور شمائل ترمذی، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ سے سنن نسائی، موطا امام مالک اور شرح معانی الآثار، حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ سے سنن ابن ماجہ اور حضرت مولانا محمد جلیل صاحبؒ سے موطا امام محمد پڑھی۔ پھر ایک عرصہ متعدد مدارس میں حدیث وفقہ کی اعلی خدمات کی انجام دہی کے بعد متفقہ طور پر دار العلوم دیوبند بلائے گئے اور تاحین حیات یہیں پر فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

(از: مولانا مفتی محمد شاکر صاحب قاسمی مدنی، تفصیل مولانا کے مضمون "**آہ شیخ عبد الحق اعظمیؒ**" پڑھی جاسکتی ہے)

مولانا عبد الحفیظ مکی علیہ الرحمۃ

عالمی تحفظ ختم نبوت کے امیر، قطب الاقطاب حضرت مولانا شیخ زکریا صاحب علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اجل، یادگار اکابر حضرت مولانا عبد الحفیظ مکیؒ کا مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۶۷ء کو جنوبی افریقہ میں ۷۱ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

آپ کی پیدائش ۱۹۴۶ء میں شہر امرتسر (ہندوستان) میں ہوئی۔ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد فیصل آباد (پنجاب) میں مقیم رہ کر وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، بعد میں اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ۱۹۵۳ء میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے، آپ نے ۱۸۷۴ء میں قائم شدہ مدرسہ صولتیہ اور مکہ مکرمہ کے دیگر مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ ہندوستان میں حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کی سرپرستی میں آپ کی تربیت ہوئی، آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم (سہارن پور) سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے خصوصی استفادہ کیا، اپنے مرشد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی عربی کتابوں کی اشاعت میں آپ کا اہم کردار ہے، خود بھی متعدد کتابیں عربی واردو زبان میں تحریر فرمائیں، صحیح بخاری کی ۲۵ جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں شرح (الکنز المتوازی فی معادن الدراری وصحیح البخاری) آپ کی خصوصی دلچسپی سے شائع ہوئی، آپ مکہ مکرمہ میں مکتبہ امدادیہ کے مالک تھے۔ اس مکتبہ سے ہندو پاک کے علماء کی عربی کتابیں سعودی حکومت کی اجازت کے بعد شائع ہوتی ہیں، آپ اسلاف واکابر کے نمونہ تھے۔ آپ نے پوری زندگی دین اسلام کی خدمت میں لگائی۔ ختم نبوت کے عظیم مشن کے لئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ (مزید تفصیل ماہنامہ "ضیائے علم" حیدر آباد کے تازہ شمارے میں ملاحظہ کرسکتے ہیں)

جنید جمشید مرحوم

گزشتہ ماہ پی آئی اے کا ایک طیارہ اے ٹی آر/۶۶۱ کے دونوں انجن فیل ہوجانے کی وجہ سے صوبہ خیبر پختون کے ضلع چترال سے دارالحکومت اسلام آباد پرواز کے دوران گر کر تباہ ہوگیا، گیا جس کے نتیجہ میں پاکستان کے معروف ثناخواں اور مشہور مذہبی اسکالر جنید جمشید اور ان کی اہلیہ نیہا جمشید سمیت اڑتالیس مسافر اور عملے کے ارکان جاں بحق ہوگئے۔

اس دنیا میں بے شمار افراد ایسے بھی ہیں جو مسلم گھرانوں میں پیدا تو ہوئے لیکن دنیا کی رنگینیوں نے انہیں اسلام سے دور کردیا پھر ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب آیا جس کے بعد وہ نہ صرف احکام خداوندی کی تعمیل کرنے والے بن گئے بلکہ قرآن وسنت کی ترویج وتبلیغ کے لیے خود کو وقف کردیا اُنھیں باعزم وحوصلہ مند مسلمانوں میں ایک نام جنید جمشید کا بھی ہے جنید جمشید ۳؍ستمبر ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے، ان کی ۵۲ سالہ زندگی نشیب وفراز اور جدوجہد سے عبارت رہی، انہوں نے لاہور یونیورسٹی آف انجینیرنگ سے ڈگری حاصل کی اور کچھ عرصے انجینیرنگ سے وابستہ رہے، ۱۹۸۰ء کے عشرے میں انہوں نے ایک میوزکل گروپ ''وائٹل سائز'' بنایا جس کے وہ مرکزی گلوکار تھے وائٹل سائز کے گانوں کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی جنید جمشید کا گایا ہوا گانا ''دل دل پاکستان'' آج بھی مقبول ہے مولانا طارق جمیل صاحب سے مرحوم جنید جمشید کی پہلی ملاقات ۱۹۹۷ء میں ہوئی تھی لیکن ان کی زندگی میں تبدیلی اس کے کئی برس بعد آئی یہ قصہ بھی بڑا متاثر کن ہے جنید جمشید تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے اور مشہور مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل سے کافی متاثر تھے کہا جاتا ہے کہ ان کی زندگی میں اسلامی انقلاب مولانا طارق جمیل ہی کے ذریعہ آیا تھا لہٰذا ۲۰۰۴ء میں جنید جمشید کی زندگی میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی اور موسیقی کے کیریر کو عروج کے وقت پر چھوڑ کر مذہبی تبلیغ اور نعت گوئی کی جانب راغب ہوگئے اس تبدیلی سے ان پر کئی مالی آزمائشیں بھی آئیں لیکن جنید جمشید نے بڑی ہمت وپامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ آمین (بہ قلم: مولانا غیاث الدین صاحب زید مجدہ صدر مجلس احرار اسلام، تفصیل کے لئے مولانا کا مضمون ''**مرحوم جنید جمشید، گلوکاری، تبلیغ اور سفر آخرت**'' ملاحظہ کیجئے۔ **9451470034**)

نوٹ: قارئین اشرف الجرائد سے خواہش ہے کہ ان کے علاوہ بہت سی ایسی ہستیاں جن کی زندگیاں علم وعمل سے آراستہ تھیں اور امت ان کے فیض سے مستفید ہورہی تھی، اب وہ اس دارفانی میں نہ رہیں ان سب کو اپنی ادعیہ صالحہ میں یاد رکھیں، اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے اور اعمالِ حسنہ کو قبول فرمائے۔ آمین

فقہ وفتاویٰ

تعویذ سے متعلق چند مسائل

ادارہ

تعویذ گنڈے کی شرعی حیثیت

سوال: ہمارے خاندان میں تعویذ گنڈے کی بہت شہرت ہے اور اسی وجہ سے میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ کیا کسی کو تعویذ کرانے سے اس پر اثر ہو جاتا ہے؟

جواب: تعویذ گنڈے کا اثر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے مگر ان کی تاثیر بھی باذن اللہ ہے، کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے جو تعویذ گنڈے کئے جاتے ہیں ان کا حکم تو وہی ہے جو جادو کا ہے کہ ان کا کرنا اور کرانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے بلکہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے اور میں اوپر عرض چکا ہوں کہ اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی پر گندگی پھینک دے تو ایسا کرنا تو حرام اور گناہ ہے اور یہ نہایت کمینی حرکت ہے، مگر جس پر گندگی پھینکی گئی ہے اس کے کپڑے اور بدن ضرور خراب ہوں گے اور اس کی بدبو بھی ضرور آئے گی، پس کسی چیز کا حرام اور گناہ ہونا دوسری بات ہے اور اس گندگی کا اثر ہونا فطری چیز ہے، تعویذ اگر کسی جائز مقصد کے لئے کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ اور شرک کی بات نہ لکھی ہو، پس تعویذ گنڈے کے جواز کی تین شرطیں ہیں، اول: کسی جائز مقصد کے لئے ہو، ناجائز مقاصد کے لئے نہ ہو، دوم: اس کے الفاظ کفر وشرک پر مشتمل نہ ہوں اور اگر وہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جن کا مفہوم معلوم نہیں تو وہ بھی ناجائز ہے، سوم: ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔

کیا حدیث پاک میں تعویذ لٹکانے کی ممانعت آئی ہے؟

سوال: ایک دکان پر کچھ کلمات لکھے ہوئے دیکھے جو درج ذیل ہیں: جس نے گلے میں تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا اور ساتھ ہی مذکورہ حدیث لکھی تھی، من علق تمیمة فقد اشرک (مسند احمد) یہ صحیح ہے یا غلط؟ حدیثِ مذکورہ کا کیا درجہ ہے، اگر اس کا ذکر کہیں نہ ہو تو بھی بتائیے کہ گلے میں تعویذ پہننا کیسا ہے؟

جواب: یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں تعویذ سے مطلق تعویذ مراد نہیں بلکہ وہ تعویذ مراد ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں کئے جاتے تھے اور جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے، پوری حدیث پڑھنے سے یہ مطلب بالکل

واضح ہوجاتا ہے، چنانچہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے: حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک گروہ (بیعت کے لئے) حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو کو بیعت فرمالیا اور ایک کو نہیں فرمایا: عرض کیا گیا یارسول اللہ! آپ نے نو کو بیعت کرلیا اور ایک کو چھوڑ دیا، فرمایا: اس نے تعویذ لٹکا رکھا ہے یہ سن کر اس شخص نے ہاتھ ڈالا اور تعویذ توڑ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیعت فرمالیا اور فرمایا: من علق تمیمة فقد اشرک ''جس نے تعویذ باندھا اس نے شرک کا ارتکاب کیا'' (مجمع الزوائد: ۵/ ۱۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ہر تعویذ مراد نہیں بلکہ جاہلیت کے تعویذ مراد ہیں اور دورِ جاہلیت میں کاہن لوگ شیطان کی مدد سے الفاظ لکھا کرتے تھے۔

ناجائز کام کے لئے تعویذ بھی ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں

سوال: ہمارے محلے میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو کسی زمانے میں امام مسجد ہوا کرتے تھے آج کل تعویذ گنڈوں کا کام کرتے ہیں اور ان کے پاس ہر وقت بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے زیادہ تر رش عورتوں کا ہوتا ہے جن کی فرمائشیں کچھ اس طرح ہوتی ہیں مثلاً فلاں کا بچہ مرجائے، فلاں کا کاروبار بند ہوجائے، میرا خاوند مجھے طلاق دے دے، فلاں کی ساس مرجائے، کیا اس طرح تعویذ کرانے صحیح ہیں اس میں کون گنہگار ہوگا؟

جواب: جائز کام کے لئے تعویذ جائز ہے اور ناجائز کام کے لئے تعویذ ناجائز ہے، ناجائز تعویذ کرنے اور کرانے والے دونوں برابر کے گنہگار ہیں۔

جو جادو یا سفلی عمل کو حلال سمجھ کر کرے وہ کافر ہے

سوال: کوئی آدمی یا عورت کسی پر تعویذ دھاگہ، سفلی عمل یا پھر جادو کا استعمال کرے اور اس کے اس عمل سے دوسرے آدمی کو تکلیف پہونچے یا پھر اگر وہ آدمی اس تکلیف سے انتقال کرجائے تو خداوند تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کا کیا درجہ ہوگا چاہے وہ تکلیف میں ہی مبتلا ہوں یا انتقال ہوجائے؟

جواب: جادو اور سفلی عمل کرنا اس کے بدترین کبیرہ گناہ ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جادو کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے یا نہیں، صحیح یہ ہے کہ اگر اس کو حلال سمجھ کر کرے تو کافر ہے اور اگر حرام اور گناہ سمجھ کر کرے تو کافر نہیں، گنہگار اور فاسق ہے اس میں شک نہیں کہ ایسے سفلی عمل سے دل سیاہ ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس آفت سے بچائے، یہ بھی فقہائے امت نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے جادو اور سفلی عمل سے کسی کی موت واقع ہوجائے تو یہ شخص قاتل تصور کیا جائے گا۔

(ماخوذ: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/ ۳۵۰، ۳۵۴)

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

مولانا ابوالولید قاسمی*

القدس کو اسرائیلی دارالحکومت بنانے کی سازش کو اعلان جنگ سمجھا جائے: علما کونسل

بین الاقوامی علماء اتحاد نے نئی امریکی انتظامیہ کی جانب سے اسرائیل میں قائم امریکی سفارتخانہ کو تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کرنے کے اعلانات کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے عالم اسلام کے خلاف کھلا اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ علماء اتحاد نے انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں سے بھی پرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کے آئینی اور مسلمہ حقوق کی حمایت کرتے ہوئے امریکی سفارتخانہ کی القدس منتقلی کی سازشوں کو ناکام بنائیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ نومنتخب امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی جانب سے اسرائیل میں امریکی سفارتخانہ کی تل ابیب سے القدس منتقلی کا عمل بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۴ رجنوری ۲۰۱۷ء)

یمن میں قحط کا خطرہ، ہر 10 منٹ بعد ایک بچے کی موت

اقوام متحدہ کے ایمرجنسی رابطہ کار اسٹیفن اوبرین نے سلامتی کونسل کو بتایا کہ 20 لاکھ افراد کو زندہ رہنے کے لئے خوراک کی اشد ضرورت ہے اور بچوں میں غذائی کمی کی شرح ایک سال میں 63 فی صد تک پہونچ چکی ہے، ہر 10 منٹ کے بعد 5 سال سے کم عمر ایک بچہ ان وجوہات کی بنا پر موت کے منہ میں جارہا ہے جن سے بچاؤ ممکن ہے، شدید غربت، جنگ اور سعودی عرب کی سربراہی میں قائم اتحاد کی جانب سے بحری پابندیوں نے خوراک کی فراہمی کو شدید متاثر کیا ہے، یمن میں ایک کروڑ 40 لاکھ افراد کو خوراک کی قلت کا سامنا ہے، جن میں 22 لاکھ بچے شامل ہیں جبکہ 50 ہزار کے قریب بچے شدید غذائی قلت کا شکار ہیں، اسٹیفن اوبرین نے امریکہ اور برطانیہ سمیت دیگر مغربی ممالک کے حمایت یافتہ سعودی اتحاد سے مطالبہ کیا ہے کہ نوفلائی زون ختم کریں اور صنعا کا ہوائی اڈہ دوبارہ کھولیں تاکہ جان بچانے والی ادویات پہنچائی جاسکیں۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۹ رجنوری ۲۰۱۷ء)

کینیڈا کی مسجد میں فائرنگ سے 5 افراد جاں بحق

کینیڈا کے شہر کیوبیک میں تین مسلح افراد نے مسجد میں گھس کر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں 5 افراد جاں بحق ہوگئے۔ یہ واقعہ ۲۹ رجنوری اتوار کی شب پیش آیا جبکہ 40 کے قریب مسلمان کیوبیک میں واقع اسلامی ثقافتی مرکز کے اندر عشاء کی نماز ادا کررہے تھے، واقعے کے بعد مسجد کے گرد سکیوریٹی گھیراؤ کرلیا گیا۔ فرانسیسی نیوز ایجنسی کے مطابق پولیس نے دو مشتبہ افراد کو گرفتار کرلیا ہے، کینیڈا کے وزیراعظم جسٹن ٹروڈو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "ہم عبادت کے مرکز میں مسلمانوں پر اس دہشت گرد حملے کی بھرپور مذمت کرتے ہیں"۔ واضح رہے کہ گزشتہ رمضان المبارک کے دوران اسی مسجد کے دروازے پر نامعلوم افراد نے خنزیر کو سر رکھ دیا تھا۔ (العربیہ ڈاٹ نیٹ، ۳۰ رجنوری ۲۰۱۷ء)

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا